آئینۂ غلام

مراحل زندگی

انطباق احوال

نکات معرفت

تصنیف

عارف باللہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بہ اہتمام

حضرت مولانا مفتی محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

صاحبزادہ و خلیفہ حضرت شیخؒ ، خطیب جامع مسجد شکاگو ، امریکہ

آئینۂ غلام

• مراحل زندگی • انطباق احوال • نکات معرفت

تصنیف

عارف باللہ

حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب

رحمۃ اللہ علیہ

بہ اہتمام

حضرت مولانا مفتی محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

صاحبزادہ وخلیفہ حضرت شیخؒ ، خطیب جامع مسجد شکاگو (امریکہ)

تفصیلات کتاب

نام کتاب	:	آئینہ غلام
تصنیف	:	حضرت شاہ صوفی غلامِ محمد صاحبؒ
صفحات	:	۷۲
بہ اہتمام	:	حضرت مولانا مفتی نوال الرحمن صاحب مدظلہ
		صاحبزادہ و خلیفہ حضرت شیخؒ، خطیب جامع مسجد شکاگو، امریکہ
سنہ اشاعت	:	۱۴۱۸ھ م ۱۹۹۷ء
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	Rs. 20/-

کتابت و سرورق

شکیل کمپوزنگ سنٹر

17-9-183/3/5، کرماگوڑہ نزد مسجد معراج، سعید آباد، حیدرآباد۔ ۵۹

فون: 528583

انتساب

ان قدسی نفوس کے نام جو فضل خدا اور توفیق الہی سے بوسیلہ برزخ کبریٰ بواسطہ مشائخ تزکیہ نفوس، تصفیہ قلوب اور تجلیہ ارواح کے ذریعہ موثر حقیقی، فاعل حقیقی اور باکمال ذات حق کی پہچان کا ذریعہ بنتے ہیں۔

دعا

تجھے راضی رکھوں ہر حال میں اے محسن اعظم
وہی اخلاق دے، کردار دے حسن ادا دیدے
ادا کیا شکر ہو ہر سانس ہے فضل و کرم تیرا
تیرے احسان دیکھوں ہر نظر میں وہ ضیا دیدے
شعور زندگی بیدار ہو جس کے تقاضے سے
وہی فہم حقیقی دے وہی فکر رسا دیدے
ترا پرتو نظر آجائے تیرے سامنے ہر دم
میرے آئینہ دل کو الٰہی وہ جِلا دیدے

خادم الاولیاء

شاہ محمد کمال الرحمن

خطیب مسجد عالمگیری شانتی نگر، حیدرآباد۔ آندھرا پردیش۔ انڈیا

مورخہ ۲۳ / سپٹمبر ۱۹۹۷ء م ۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ سہ شنبہ

فہرست عناوین اور اشارات

انتساب	۲
افتتاحیہ	۳
عالم چون و چند	۵
سمجھ بوجھ	۵
اتا پتا (منازل زندگی)	۵
اسم و رسم (نسبت محمدیؐ)	۶
ایمان اول	۷
مبارک سلامت (تفہیم ربوبیت مقیدہ)	۷
گریہ و تبسم (تجلیات جلال و جمال)	۸
محافظ فرشتے	۸
انقلاب	۹
علم (سماعی تصدیق اور ثبوت)	۹
ابجد (بچوں کی معصومیت)	۱۰
لکڑی کا گھوڑا (برابری کا گھمنڈ)	۱۱
تقدیر اور تدبیر (جہاں ہے تیرے لئے ...)	۱۲
جبری دعوت (مساوات کا تقاضہ)	۱۴
خطرناک ہمت (ہمت و حکمت)	۱۴
ظلم مقبول	۱۵
شرارت (ردعمل کی نفسیات)	۱۶
خطـــرہ	۱۷
بلائے اختیاری (راہ اوسط کی تعلیم)	۱۷
حکمت عملی (یا غصب اور ظلم)	۱۹
ٹکٹ کلکٹــر (ہوس کے نتیجے)	۲۰
بداحتیاطی (خواہشات کا کنواں)	۲۱
تعلیــم (اور توحیدی وجود)	۲۲
قرآن (حکیم کا کام تحت حکمت ہے)	۲۴
نوجوانی (جوہر انسانیت)	۲۵
سیر و سفر	۲۷
(تنگ نظر کون)	۲۷
(تصرف باطنی)	۲۸
(مناظر قدرت)	۲۸
دنیوی امتحان (اور دینی امتحان)	۳۱
استاد (ثبوت آخرت)	۳۳
مدرسین (خصوصی توجہ اور شفقت)	۳۴
(ظاہری سفر اور روحانی سفر)	۳۵
(حصول فیض)	۳۶
بیعت	۳۷
(اللہ کیسے ملے)	۳۹
(تصوف کے نام پر گمراہی)	۳۹
امتحان (دنیوی امتحان سے اخروی امتحان تک)	۴۲
موت (اور حیات النبیؐ)	۴۳
مسجد شہید گنج (اور اقبال کی یادیں)	۴۷
امتحان گاہ (اور عمل کا بدل؟)	۴۹
خواہــش	۵۱
انتظار (اور نتیجہ)	۵۱
تجارت (اور ایمانداری)	۵۲
مرض: (فاعل حقیقی کون؟)	۵۳
بیکاری (کیا ہے؟)	۵۳
کچھ نصیحتیں	۵۸
سامان سفر اور توشہ آخرت	۵۹
قیــام	۶۰
دست خود اور دہان خود	۶۱
شادی	۶۱
دلچسپ باتیں	۶۲
مہــر	۶۵
حضرت شیخؒ کی مطبوعہ و زیر طبع کتب کی تفصیلات	

افتتاحیہ

ہونا تو یہ چاہئیے تھا کہ کسی مستند معروف صاحب قلم، کسی ادیب، کسی نقد و بصر کی جامع شخصیت کے توسط سے اس کتاب کا سخن اولین لکھوایا جاتا اور ان کے تمہیدی کلمات جامع اور مفید مطالب ہوتے۔ اشاعت دوم میں انشاء اللہ اس کا لحاظ کیا جائے گا۔

چونکہ برادر محترم مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد نوال الرحمن صاحب مفتاحی زیدت الطافہم خطیب جامع مسجد شکاگو، امریکہ سے تشریف لائے ہوئے ہیں اور یہاں چند دنوں قیام کے بعد پھر وہ امریکہ کے سفر پر روانہ ہوجائیں گے۔ چونکہ یہ کتاب انہی کے اہتمام میں چھپ رہی ہے اور خصوصاً مولانا حافظ عبدالحلیم صاحب خطیب مسجد معراج کرما گوڑہ سعید آباد حیدرآباد کی جانب سے لعجلت ممکنہ اشاعت کے تقاضے کی بناء تکمیل ضابطہ کے لئے چند سطور قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔ اور حضرت شاہ محمد عبدالرحیم صاحب دردمدظلہ خلیفہ اول حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحبؒ کی قلمی بیاض سے استفادہ کرتے ہوئے چند سطور تمہید کتاب کے لئے منتخب کرلئے ہیں۔

"آدمی جن واسطوں اور ذریعوں سے نعمتیں پاتا ہے فطرۃً ان کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ مبارک کام طبعی طور پر سب احسان مند کرتے رہتے ہیں اور کرتے رہیں گے کیونکہ تحصیل فیضان اشاعت فیضان ہی کیلئے ہے۔ بیان بالمشافہ نسبتاً محدود ہوتا ہے اسکو تحریر کی صورت دی جائے تو بات زمان و مکان کے حدود کو توڑ کر وسیع ہوجاتی ہے جس کا ثبوت سلف صالحین اور اولیاء کاملین کے حالات پر لاتعداد کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔" بس اسی طرح سمجھئے کہ صالحین اور کاملین کی خاک پا بنا کر اللہ پاک نے حصول فیض کی صورتیں پیدا فرمائیں اور خوب سے خوب تر صحبتوں میں فیضیاب ہونے کے مواقع عطا فرمائے۔ اور یہ اللہ کا خصوصی کرم ہیکہ حضرت والد ماجدؒ کی حیات مبارکہ میں بھی اشاعت دین و نعمت کا کام ہوتا رہا اور انکے وصال کے بعد بھی اشاعت احسان کی صورتیں عام ہورہی ہیں۔ کئی کتابیں حضرت کی شائع ہوئی ہیں لیکن زیر نظر کتاب حضرت کے قلم کا شہکار اور تصنیف لطیف ہے۔ حضرت کی خودنوشت سوانح عمری بعنوان

"آئینہ غلام" سابق میں نکلنے والے ہمارے ماہنامہ "الکمال" میں کئی اقساط میں شائع ہوئی تھی ۔ اور قارئین اسکو بہت دلچسپی سے پڑھتے تھے ۔ اس سوانحی قلمی کاوشوں کو جو الکمال میں متفرق تھیں ، جمع کرکے کتاب کی شکل دیدی گئی ہے جس سے حضرت کی نہ صرف یہ کہ خداداد صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ آپ کی زندگی کے مراحل سے احوال کا انطباق اور پھر ان سے عرفانی نکتہ رسی اور علم الحقائق کی پیشکشی کوئی معمولی حیثیت کا عنوان نہیں بلکہ غیر معمولی طور پر احسان وتصوف کے بے شمار مسائل اس خوش اسلوبی سے پیش کردیئے ہیں کہ حقیقی تصوف واحسان کے شعبے واضح اور اجاگر ہوکر سامنے آتے ہیں ۔ علم وادب کی چاشنی تو اپنی جگہ پر ہے ہی ، لیکن احکام شریعت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ طریقت وحقیقت اور عرفانی نکات اور بیان وقلم کی ندرت نے اچھے اچھے ادیبوں کو بھی مات کردیا ہے ۔ ناظرین عظام اور قارئین کرام خود اندازہ لگالیں گے کہ اس کتاب کے ذریعہ حضرت نے قارئین کو کیا دینا چاہا ہے ۔

ظلمتوں سے کفر کی خود کو نکال قلب کو ایمان کے سانچے میں ڈھال
کر دکھا کر پیروی کا پھر کمال سچ ہے مولیٰ کی نہیں کوئی مثال

اور اگر ہے ہے مثال آدمی

آدمی ہے کلمہ حق لاکلام آدمیت آدمی کا احترام
درد دیتے ہیں یہی صوفی پیام حق نہیں بے حق نہیں حضرت غلام

مثل آئینہ ہے حال آدمی

حق تعالیٰ ہم سب کو رموز آئینہ سمجھنے کی توفیق دے ۔ آمین برحمتک یا ارحم الراحمین

جامع الحروف

شاہ محمد کمال الرحمن

خطیب مسجد عالمگیری شانتی نگر ، حیدرآباد

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سید المرسلین و علیٰ آلہ
و اصحابہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین

عالم چون وچند

رجب ۱۳۳۷ھ کی دسویں تاریخ کی ابتدا ہو چکی ہے ۔ جمعہ کی ایک تہائی رات گزر چکی ہے ۹/ بجے کا سکون نواز وقت ہے کہ ایک بچہ شکم مادر سے اپنے خالق و موجد کے سامنے سجدہ ریز ہوئے عالم چوں وچند میں آجاتا ہے ۔ جسے اپنے ظہور کے لیے حیدر آباد دکن کا ایک گوشہ تعلقہ کلواکرتی کا ایک موضع مشہور بنام "کوٹرہ" دیا جاتا ہے ۔

سمجھ بوجھ

کسے محبت نہیں ہوتی اپنے نور نظر سے ، لخت جگر سے ، اور کیوں نہ ہو جبکہ آنے والا اپنی جیسی شکل وصورت کا مالک ہو اپنے سے ایک دائمی نسبت رکھتا ہو ، اور اپنے ہی سے ظاہر ہوا ہو ۔ کیا آئینہ میں اپنی صورت اچھی نہیں معلوم ہوتی ؟ اس کا لطف تو کچھ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جن پر صورت اور آئینہ کے رموز کھلے ہوے ہیں ، الغرض خوش ہونے والے خوش ہوئے ، اپنا ہمشکل سمجھکر ، اپنے سے ظاہر سمجھ کر ، اپنی دنیا کا ساتھی سمجھ کر ، نور نظر سمجھ کر ، لخت جگر سمجھ کر ۔ اور غیر شعوری طور پر نہ معلوم کیا کیا سمجھ کر ، کسی کا ظہور سمجھ کر ۔

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال وپر روح الامیں پیدا

اتا پتا (منازل زندگی)

آنے والے کے متعلق یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس ملک قدس

کار ہنے والا ہے، لیکن اس کی منزل کا پتہ وہاں سے تو ملتا ہے، جہاں یہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے نکلتا ہے۔ ہم کو اس کا تفصیلی علم تو نہیں کہ اسے ہم تک پہنچنے کے لیے کتنے منازل طے کرنے پڑے اور پھر آگے کتنے منازل طے کرنے باقی ہیں۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ جہاں اب وہ موجود ہے، وہ بھی ایک منزل ہے۔

کھو نہ جا اسی سحر و شام میں اے صاحب ہوش
اک جہاں اور بھی ہے جسمیں نہ فردا ہے نہ دوش

اسم و رسم (نسبت محمدیؐ)

اس کو دنیا میں آئے ہوئے دوسرا دن ہے۔ دو چار جہاں دیدہ جمع ہیں۔ بچے پر معنی خیز نظریں پڑ رہی ہیں اور وہ انہی میں سے ایک کی گود میں پڑا ہوا ہے۔ مشورہ ہو رہا ہے کہ اس طائر لاہوتی کو جو پہلے ہی قید جسم میں مقید ہو چکا ہے، اب کس اسم میں مقید کر دیں۔ اسم حقیقی عبداللہ سب کے ہاں مسلّم تھا۔ اب اسم امتیاز کی تلاش تھی۔ مختلف نام پیش ہوئے۔ آخر فیصلہ ہو گیا کہ آنے والے کا نام اس کے دادا کے نام کے مطابق "غلامِ محمد" رکھ دیا جائے نام رکھ دیا گیا۔

کتنا لطیف نکتہ ہے کہ یہ نام بھی صاحب لولاک لما خلقت الافلاکؐ کے نام گرامی سے نسبت رکھتا ہے، جن کے صدقہ میں یہ ظاہر ہوا ہے، اس اعتبار سے یہ نام بھی حقیقی ثابت ہوا۔ گھر کے گوشہ سے بڑھیا نے آواز دی کہ کیوں نہ اس کا نام ملہم غیب سے دریافت کر لیا جائے۔ ایک بوڑھے نے کاغذ قلم اٹھایا۔ حروف ابجد کی جمع و تفریق کی، بزرگوں کے تجارب سے ملایا اور کہہ دیا کہ ملہم غیب اس کا نام "عبداللطیف" رکھتا ہے۔ فال نیک تھی کہ اسم حقیقی کی

تجدید ہو گئی۔ لیکن اب وہ عالم علوی و سفلی میں اپنے دادا کے نام سے ہی مشہور ہو گیا۔

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

ایمان اول

اس کے حقیقی مرشد و آقا کی غذا سے اس کی تواضع کی گئی۔ یعنی ثمر درخت بے خزان (کھجور) سے غذائے شافی (شہد) چٹائی گئی اور وہ اس کو مزے لے لے کر چاٹتا رہا۔

اور حقیقت میں یہ رسالت محمدیہٗ علی صاحبہا التحیۃ والتسلیم کی لسانی و عملی تصدیق ہے جو اس نے صدائے تکبیر و کلمہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کی سماعی تصدیق کے بعد کی۔ اور وہ اپنے نام کے ساتھ عملاً خود بھی مطیع بن کر منسوب ہو گیا۔

غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا

مبارک،سلامت! (تفہیم ربوبیت مقیدہ)

مراسم ظہور کے بعد تک دوست واحباب میں مبارک و سلامت ہوتی رہی۔ باپ کا نور نظر مبارک ، ماں کا لخت جگر مبارک ، بہن کا ہم صورت مبارک،بھائی کا ساتھی مبارک خاندان کا چشم و چراغ مبارک،اور غیر شعوری طور پر ماں کے لئے سبب حصول ربوبیت مقیدہ مبارک اور باپ کے لئے حصول ثواب ازدیاد امت محمدیہٗ مبارک۔

گریہ و تبسم (تجلیات جلال و جمال)

لٹادیا گیا اس کو ایک جھولے میں اس کے چھوٹے سے کرتے میں لپیٹ کر، اس کا چہرہ کبھی گریاں نظر آتا کبھی متبسم وہ اپنی آنکھوں کو کبھی بند کر لیتا، کبھی کھول دیتا، کبھی ہاتھ پیر ہلاتا، کبھی ساکن ہوجاتا۔ ماں سمجھ رہی ہے کہ بھوکا ہوگیا ہے، گرمی زیادہ ہوگئی ہے۔ سردی تو نہیں لگ گئی اور یہی سبب ہے اس کے رونے کا دودھ پلاؤ دوا چٹاؤ۔ اور وہ ماں کی گود میں رہ کر ماں باپ سے بے نیاز عالم ملک میں تجلیات جلالیہ و جمالیہ سے متاثر ہورہا ہے اس کا رونا پروردگار کی تجلی جلالی کا مظہر اس کی ہنسی اس کے رب کی تجلی جمالی کا پرتو وہ ایک بے خود مجسمہ ہے ماضی اور مستقبل سے بے پروا اور حال سے مست۔

رہے مستی سلامت بندگی کی

نہ غم سے واسطہ ہے نے خوشی سے

محافظ فرشتے

مادہ پرست بھٹکتے پھریں اپنی معقولات کی چکر میں، ہم لطف اندوز ہوتے رہیں گے اپنے مشاہدات کے میدان میں۔

شروع ہوگئے لوازم دنیا اور اس کی ترقی معکوس! بچہ کو ایک چٹائی پر لٹادیا گیا ہے اور وہ اپنے حال میں ہے، بچہ کی ماں کام میں مشغول ہے۔ ایک قوی ہیکل بھینس کی کیا خبر۔ جس کے پاس نفع و ضرر کا اعتبار ہی نہ ہو اسے بیم ورجا سے کیا نسبت، وہ اپنے ہاتھ اور پیر چلاتا ہی پڑا ہے، اور بالکل محفوظ۔ ماں کی نظر اس وقت پڑی جب کہ بھینس کا آخری پیر بچہ پر سے گزر رہا ہے اور اس کی زبان سے ایک چیخ نکلتی ہے۔ "یا اللہ میرا بچہ" گویا صرف خود ہی محافظ ہیں؟ اور

بچہ صرف ان کا ہی ہے !

میری جاں میرا دل یہ سب ان کا
میرا میرا خیال ہے میرا

انقلاب

گزرتے گئے رات اور دن، طے ہوتے گئے مہینے اور سال اور شروع ہوگیا بچہ کا جسمانی ارتقاء جس کے لازمی نتیجہ کے طور پر دل بدلتا گیا اور شفاف آئینہ پر گرد جمنے لگی۔ نظر کے نورانی پردے کثیف ہونے لگے اور ان میں عالم اجسام کے آثار ثبت ہونے لگے۔ تجلیات نے غیر شعوری طور پر خطرات کی صورت اختیار کرلی، اور یہ سب ہوتے ہوتے بچہ اس عالم سے مانوس ہوگیا وہ کون ہے جو نشانات راہ کی بناء پر منازل طے کرلے اور پھر اپنے مقام پر واپس نہ ہوسکے۔ اگر کوئی نہیں ہے تو آیئے اور واپس لوٹئے اور دیکھئے اب آپ کہاں ہیں؟ پوچھئے مولانا روم سے ؂

چشم و بندو گوش بند ولب بہ بند
گر نہ بینی سر حق برمن بخند

علم (سماعی تصدیق اور ثبوت)

ذرا اس دہریئے سے پوچھئے جسے اپنی عقل پر ناز ہے اور جو اپنے پروردگار کا منکر ہے کہ اسے اپنے باپ کا علم کیسے حاصل ہوا؟ کیا جانے بے چارہ جو علم ہی کو نہ سمجھے وہ ذریعہ علم کیا جانے !

فرمائیے اس بچے کو علم کیسے آیا کیا وہ ہر چیز کے نام کو اپنے والدین سے

سنتا نہیں گیا اور جیسا سنتا گیا ویسا ہی سمجھتا نہیں گیا؟ پھر والدین کے علاوہ چیزوں کے ناموں کی دوسروں سے تصدیق نہیں ہوتی گئی کیا ہر چیز کے نام کی سماعت متواتر نہیں ہو گئی پھر اب یہ دہریئے اسماء کاملہ و صفات وجودیہ کے موصوف کو خدا کہنے سے کیوں گھبراتے ہیں؟ انھیں اپنے آدمی اور انسان ہونے میں شبہ کیوں نہیں ہوتا؟ کیا یہ اس کا بین ثبوت نہیں ہے کہ ایک مخالف طاقت اس کو متزلزل کر رہی ہے جس کا نام ہے شیطان۔ اور ایک چیز لیجئے اور غور کیجئے آخر پیدائشی بہرہ گونگا کیوں ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اسماء اشیاء کا علم جو استاد ازل نے بہ مطابق ارشاد علم الانسان مالم یعلم سکھادیا تھا بچہ کے دل میں بالقوہ موجود تھا بذریعہ سماعت بالفعل ہونے لگا۔ اجمال نے تفصیلی صورت اختیار کرلی، اللہ ، نبی جی، پیر، پیغمبر کے قدسی الفاظ بچہ کو پھر اپنی منزل کا پتہ دینے لگے۔

کتنے بدل گئے ہیں بدلتے بدلتے ہم
منزل کے پاس آہی گئے چلتے چلتے ہم

اماں کا جامع لفظ اس کی زبان پر نہایت آسانی سے چڑھ گیا کہ اس میں اس کی مادر روحی کا پتہ تھا۔ لیکن غفلت اور جہالت کا برا ہو کہ ماں کی گود میں ہے اور ماں سے بے خبر غرض انتہائی نزول کے بعد اس کا علمی ارتقاء شروع ہوا۔

ابجد (بچوں کی معصومیت)

بچہ منازل ارتقاء طے کرتا گیا۔ علم مفصل ہو کر مکمل ہونے لگا۔ مفرد الفاظ سے جملے بنانے لگا ترکیب و ترتیب کی ذمہ داریاں لگ گئیں ۔ بات چیت ہونے لگی ۔ جو نئے بچہ میں ابھی اختیار کا استعمال پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس کا ہر فعل

ابھی عالم بالا کے پر تو کا مظہر تھا اس کی صورت سے معصومیت آشکار تھی اس لئے اس کا ہر فعل پیارا تھا۔ اس کی رسمی تعلیم شروع ہوئی اور وہ ا بجد پڑھنے لگا یوں تو اس کا ہر لفظ پیارا تھا مگر لطف دو بالا اس وقت ہو جاتا جب وہ سین (س) کے بجائے شین (ش) اور ز کے بجائے ژ کا استعمال کرتا اور سننے والوں پر مسکراہٹ طاری ہو جاتی۔

لکڑی کا گھوڑا (برابری کا گھمنڈ)

علم کے ساتھ ساتھ جسم بھی بڑھتا گیا اور جسم کے ساتھ لوازم جسم بھی۔ گود کی قید تو چھوٹ ہی چکی تھی گھر کی قید بھی چھوٹ گئی۔ گھر کو مکان بھی کہا جاتا ہے اور عالم اجسام بھی مکان ہے کاش یہ قیود کو چھوڑتے چھوڑتے مکان بھی چھوڑ دے۔

قید مکاں کو چھوڑ کہ منزل ابھی ہے دور
تو ہی بشرق و غرب و جنوب و شمال ہو

تم پوچھو گے کہ کیا یہ ممکن ہے؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کی فطرت کا تقاضا یہی ہے۔ بچہ تقلید کا دلدادہ تو ہوتا ہی ہے اپنے ہمشکل کو دیکھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہے۔ اب اس کو گھوڑا کون لادے۔ اور گھوڑا آنے تک صبر کون کرے یہاں تو خواہش کے ساتھ تکمیل کی ضرورت ہے۔ گھوڑا نہ سہی ایک جوار کا پودہ ہی سہی۔ پودہ بچہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس پر سوار ہے۔ گھوڑے کی برہنہ پیٹھ پر سوار ہونا شہسوار کا کمال سمجھا جاتا ہے یہاں تو یہ ننھا سوار بھی برہنہ ہے اور سواری بھی۔ گھوڑ دوڑ شروع ہو گئی ایک اور مقابل بھی ہے، برابری رہی تو مضائقہ نہیں لیکن جب ایک بڑھنے لگے تو دوسرا خاموش کیوں رہے خود نہ بڑھ

سکے تو دوسرے کو کیوں نہ گرایا جائے خواہ کسی ذریعہ سے حاصل ہو۔ مقصد ہے برابری۔ یہ ہے غیر شعوری "مَیں پن" کیا یہی حال نہیں ہے آج کل کے رہبران قوم کا اور مصلحان ملت کا الّاماشاء اللہ۔ دوسرے ساتھی نے بچہ سے اس کی سواری کھینچ لی بچہ پر زخم آیا اور اندرونی جھلی اگر محافظت نہ کرتی تو بچہ مادر گیتی کی آغوش میں میٹھی نیند سو جاتا۔ جو عمل اور رد عمل سے ناواقف ہو وہ پریشان کیوں ہو؟ زخم آئے تو اسے کیا؟ وہ خاموش مکان پہنچا۔ بچہ کے خالو کی نظر خون پر پڑی جو بچے کی ایڑیوں تک اتر گیا تھا۔ یہاں عمل اور رد عمل۔ فعل اور نتیجہ کی تمیز تھی۔ زبان سے چیخ نکل گئی گھر کا گھر جمع ہو گیا کیا یہی اصول اخلاق پر مرتب نہیں ہو تے۔ کیا مادہ پرست کچھ سمجھنے کی کوشش کریں گے؟! دوسروں کو روتے دیکھ کر وہ خود بھی رونے لگا مگر کیسا عجیب ہے رونا اس کا؟ حکیم آیا علاج کیا کچھ دنوں کے بعد زخم پہنچانے والے نے شفا بھی دے دی۔ پوچھو پوچھو جھجکتے کیوں ہو؟ یہ زخم ہی پہنچانے کی کیا ضرورت تھی جو شفا دینی پڑی؟

جانتے بھی ہو کہ حکیم کے بچے بھوک سے بلبلا رہے تھے اور اگر بھوک ہی دفع کر دی جائے تو نظام عالم کیسے قائم ہو؟ بچہ میں دوڑ دھوپ زیادہ ہو گئی تھی والدین تربیت سے بے پرواہ ہو گئے تھے۔ بچہ دینے والے کو بھولنے لگے تھے ایک فعل سے نظام کائنات کا تعلق تھا اگر پھر بھی تم پوچھیں کہ کائنات ہی کی کیا ضرورت؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے بچہ تو بن جاؤ حکمت منکشف ہو جائے گی۔ اتنے زبردست مسئلے کے حل کے لئے معمولی تکلیف تو گوارا کر لی جائے۔ دیکھیں ہم بھی تمہاری ہمت۔

تقدیر اور تدبیر (جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کیلئے)

آب و خواب کی کشش تھی یا کیا تھا نہیں معلوم کہ بچہ "کوٹرہ" سے

مقام مغل گدہ آگیا اور مغل گدہ سے چند دن کے لئے چول پلی چلا گیا۔ کسے معلوم نہیں کہ حضرت انسان اشرف المخلوقات ہے پھر یہ آب و دانہ کے پیچھے کیوں پھرے۔ آب و دانہ کی کشش سے متاثر کیوں ہوں؟ کیوں نہ آب دانہ ان کے مقام پر پہونچ جائے؟ کیوں نہ ان کی کشش آب و دانہ کو ان کے مقام تک کھینچ لائے۔

ہوتا ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے مگر کیا انسان صرف آب و دانہ ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اس ایک مسئلہ میں الجھ کر رہ جائے۔ یہاں تو ہر فرد ہر حرکت اور ہر ذرہ کا نظام کائنات سے متعلق ہے۔ اور یہ سب مقدرات ہیں۔ تدابیر سے کام چلتا تو یاد رکھیئے کہ تقدیر کا نام بھی نہ لیا جاتا۔

غور کرو۔ بچہ مدرسہ میں بیٹھا ہوا ہے قاعدہ بغدادی سامنے ہے سبق رٹا جا رہا ہے مدرس صاحب درس میں مصروف ہیں۔ یکایک چھت سے بچہ کی کتاب پر ایک سانپ گرا۔ بچے کو عمل اور ردعمل کا سبق سنا دیا گیا تھا۔ نفع ونقصان کو سمجھنے لگا تھا۔ مگر۔ صرف سماعی۔ سنی ہوئی بات کا بھی کتنا یقین ہو جاتا ہے۔ بچے کے ہونٹ سوکھ گئے اور سہم گیا۔ مدرس صاحب کے ہوش اڑ گئے اور ہل مت ہل کی صدائیں لگانے لگے۔ سانپ حرکت میں آیا بچے کی گود کا رخ کیا۔ گود سے ہوتے ہوئے سینہ اور صورت پر سے گزر کر سر پر جا بیٹھا۔ اس اثناء میں بچہ پر کیا گزری اس کی تفصیل نہیں ہو سکتی۔ اتنا تو ہوا کہ اس پر خوف کی ایک صفت طاری ہوئی اور تمام صفات پر چھا گئی۔ کتنی قابل رحم ہے ان کی عقل جو "وحدۃ الشہود" کے منکر ہیں۔ مولوی صاحب کو کسی قدر اطمینان ہوا اور وہ تدبیر میں مصروف ہو گئے سانپ نے جست کیا اور سر پر سے صحن مدرسہ کے پودے پر جا بیٹھا۔ مولوی صاحب خوش ہو گئے بچے کو گلے

سے لگایا۔ دلاسا دیا پیٹھ ٹھونکی۔ بچہ پر آثار خوف طاری تھے اس کی زبان بند تھی۔

تعریف کیجئے تقدیر اور تدبیر کی بتائیے کہ تدبیر حرکت کا نام ہے یا سکون کا؟ اگر وہ بھی تدبیر ہی کا نام ہے تو تقدیر کیا بلا ہے۔ کیا بعض مقامات پر تدبیر حرام ہو جاتی ہے؟ یا تدبیر کا اعتبار ہی اٹھ جاتا ہے؟

جبری دعوت (مساوات کا تقاضہ)

بچہ بڑھتا گیا اس کے حدود گردش وسیع ہوتے گئے اب وہ مقام کا لگی میں ہے جہاں اس کے والد بزرگوار مدرس ہیں۔ گھر کے متصل ہی لنگایتوں کے سیٹھ کا مکان ہے۔ وہ دیکھتا کہ ہفتہ میں ایک بار سیٹھ کے مکان پر لنگایتوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ اسے معلوم ہوا کہ ان کی دعوت کی جاتی ہے۔

بچہ کو اس سے کیا غرض کہ وہ کافر ہے یا مومن آخر ایک کے مومن اور دوسرے کے کافر ہونے کی کیا ضرورت۔ لیکن اس کی فطرت ہے اسلام جس کا اقتضا ہے مساوات اپنی ہمشکل ہوتے ہوئے اتنا بُعد کیوں؟ بچے کا آخر قصور کیا ہے؟ پھر اس کی دعوت کیوں نہیں کی جاتی اس نے ارد گرد پتھروں کا ڈھیر جمع کرلیا اور سیٹھ کے مکان پر بارش شروع کردی سیٹھ مکان سے نکل آیا مطالبہ واجبی تھا چوں وچرا کی گنجائش نہیں تھی جواب کیا دے سکتا۔ دعوت کا وعدہ کرلیا اور یہ دعوت کھا کر خاموش ہو گیا کتنا پر لطف ہے عمل اس کا۔ مساوات کے متلاشی مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟

خطرناک ہمت (ہمت و حکمت)

بچہ بازار میں کھیل رہا ہے ایک طرف سے مرہٹواڑی کے قوی بیل

بنڈی کھینچتے چلے آرہے ہیں گاڑی بان صدائیں لگا رہا ہے لیکن بچہ بے پرواہ بیل روکنے پر بھی نہیں رکتے بنڈی لڑکے کے قریب آگئی اور وہ فوراً بیٹھ گیا بنڈی اوپر سے صاف نکل گئی۔ ہمت و استقلال بھی عجیب چیز ہے بشرطیکہ حکمت کے ساتھ ہو۔ کیا اصول واقعات ہی سے مرتب کیے جاتے ہیں؟!

ظلم مقبول

محبت بھی عجیب چیز ہے۔ اس کی کڑی مخلوقات سے گزر کر خالق کے در تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے کئی اعتبار ہیں۔ مخلوق و خالق کی محبت۔ ماں بیٹے کی محبت، انسان و انسان کی محبت، انسان و حیوان کی محبت، انسان و حیوان، نباتات و جمادات کی محبت غرض ذرہ ذرہ اس مئے سے مخمور ہے اس کے آثار بھی مخلوق ہیں۔ خالق اپنی مخلوق پر مصائب نازل کرے تو یہ ظلم نہیں محبت کا تقاضہ ہے کفارہ معاصی ہے باعث حصول مدارج ہے۔ مخلوق انا الحق کہدے تو ظلم نہیں ہے۔ خالق سے کمال ربط ہے مقام محبوبی ہے۔ انسان حیوان پر سواری کرے مال لادے یہ ظلم نہیں حیوان کا صحیح مقام ہے حیوان اس سے راضی ہے اس کی ہر آواز پر حاضر ہے۔ ماں بیٹے کو مارے تو ظلم نہیں تربیت ہے بہبودی ہے بچہ اپنی ماں کو لات بھی مار دے تو ظلم نہیں محبت ہے لاڈ ہے ناز طفلی ہے بچپن بھی عجیب چیز ہے اور بچہ بھی عجیب جلوہ گاہ۔

کچھ یہی بات تھی کہ بچہ سفر میں ہے کھانے کو جی چاہا اس نے کیلے کا مطالبہ کیا۔ راستے میں مطالبہ کس طرح پورا کیا جائے وعدہ کر لیا گیا۔ جب تکمیل خواہش کی صورت نظر نہ آئی تو آگیا بچے میں جذبہ انتقام۔ آخر مطالبہ کیوں پورا نہیں ہوتا کیا بے فکری کی دنیا کا نام جنت نہیں۔ کیا جنت میں جو چاہو

موجود نہیں ؟ کیا بچے کی دنیا بے فکری کی دنیا نہیں ۔ جہاں اس کی خواہش کی تکمیل نہ ہو وہ اس سے ناراض ہے ۔ بچے نے ہاتھ میں پتھر اٹھایا اور وہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا والد کے سر سے خون بہنے لگا غور کرو؟ سر سے خون جاری ہے اور وہ سمجھائے جا رہے ہیں بازار جائیں گے کیلا دلائیں گے ، مٹھائی دیں گے رونے کی ضرورت نہیں میری گود میں تو آجا ۔ بچے کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں مطالبہ جاری ہے ہر چیز کی حد ہے محبت کی بھی حد ہے جب کسی طرح خاموش نہ ہوا تو والدہ صاحبہ نے دو چار طمانچے رسید کر دئے اور وہ رو دھو کر خاموش ہو گیا۔

بچوں کا بھی عجیب ظلم ہے نہ خالق ناراض نہ مخلوق ناراض ۔ مسلمانوں کی حالت پر لوگ ہنستے کیوں ہیں؟

شرارت (رد عمل کی نفسیات)

کیا رد عمل سے واقف ہو کر بھی عمل سے باز نہ آنا ہی شرارت نہیں ایک شخص راستے سے جا رہا ہے بچہ ہاتھ میں مٹی اٹھایا اس پر پھینک دیا اور چل دیا بڑھیا جام لئے بیٹھی ہے گیا قیمت پوچھا۔ دیکھا ہاتھ میں لیا اور چمپت ہو گیا۔ سامنے گھوڑے پر سوار آدمی جا رہا ہے ۔ یہ اٹھا لکڑی لیا اور گھوڑے پر برسانے لگا۔ گدھے کو پکڑا، دم سے پٹاخے باندھا اور سلگا دیا۔ ادھر ادھر کے گھروں میں داخل ہوا۔ جمی ہوئی چیزوں کو منتشر کر دیا ۔ پانی گرا دیا ۔ لکڑی توڑ دی ، کاغذ پھاڑ ڈالا ، کسی کو گالی دے دی جہاں کسی ساتھی نے بات نہ مانی طمانچے رسید کر دیا۔ انہی شرارتوں کی وجہ سے وہ آبادی میں مشہور تھا۔ والدہ کے پاس لوگوں کی شکایتیں آتیں وہ سزا دینے اٹھتیں تو یہ مکان کے صحن کے نیم کے درخت پر چڑھ جاتا ۔

اب کیا کرے عورت ذات۔

کیا یہی حال بلکہ اس سے ابتر حال نہیں ہے نفوس عوام کا؟ جن کو نہ کسی شکایت کرنے والے کا خوف ہے اور نہ جن کے لئے بد قسمتی سے کوئی محتسب ہے۔

خطرہ

بچہ بغرض تعلیم مغل گدہ آگیا ہے اس کا بچپن جس میں لڑکپن نمایاں ہوگیا تھا، ختم ہوگیا ہے۔ اب وہ لڑکپن کی منزل میں ہے بعد برخواست مدرسہ کے راستے میں کھیل رہا ہے پرپیچ راستہ ہے دوسری طرف سے موٹر آرہی ہے یہ عین اس وقت راستہ عبور کررہا ہے جب کہ موٹر قریب آچکی ہے اگر موٹر ایکدم نہ روک لی جاتی تو نہیں معلوم اس کا کیا حشر ہوتا؟ موٹرراں موٹر سے اترا لڑکے کا ہاتھ پکڑا پوچھا، میاں تمہاری اماں کے کتنے بچے ہیں؟ لڑکے کی زبان سے بے ساختہ نکلا سو نہیں ہزار نہیں میں اکیلا ہی ہوں۔ ان الفاظ کو لڑکے کی زبان میں پڑھئے تو لطف آئے۔ موٹر راں سر پر ہاتھ پھیرا قسمت کی تعریف کی اور چھوڑ دیا۔ خطرہ بھی کتنی نادانستہ طور پر آجاتا ہے اور اگر پہلے ہی سے علم ہوجائے تو شاید خطرہ ختم ہی ہوجائے ورنہ کم تو ضرور ہوجائے۔

بلائے اختیاری (راہ اوسط کی تعلیم)

لڑکا کھیلتے کھیلتے ریگڑ کے میدان میں نکل گیا اس کی نظر مُنڈی کے پھول پر پڑی اسے توڑ کر سونگھنے لگا اس کی خواہش تھی کہ اس کی کوئی سانس بو

سے خالی نہ جائے اب وہ پھول کو ناک کی بلاخ میں رکھ لیا اور بار بار سانس کو اوپر کھینچتے چلا تاکہ بوئے گل سے کامل فائدہ حاصل کرے۔ خوشبو بھی انسان کو کتنی مرغوب ہے اسی کشمکش میں ایک زور کی سانس کے ساتھ پھول ناک میں چلاگیا اب وہ پریشان ہوگیا۔ فرمایئے اسے کس نے کہا تھا؟ پھول توڑ، سونگھ ناک کی بلاخ میں رکھ اور زور زور سے سانس لیتا جا۔ ہم نے مانا کہ خوشبو کی رغبت فطری ہے اس لئے توڑا سونگھا۔ اب آگے کہئے بلاخ میں کیوں رکھا؟ سانس کیوں کھینچنے لگا؟ کیا یہ حد سے تجاوز نہیں؟ راہ اوسط جو ایک فطری راہ ہے اس سے انحراف نہیں؟ کیا اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو درطہ ہلاکت میں ڈالنا نہیں؟ خواہش کی تکمیل میں انہماک اور حد سے تجاوز بھی کیا کیا نتائج پیدا کرتا ہے۔

کتنی سچی بات ہے عسی ان تحبوا اشیاء وھو شر لکم ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک چیز کی خواہش کرتا ہے اور وہ اس کے لئے بری ہوتی ہے۔

اب وہ بار بار سانس کو باہر نکال رہا ہے کہ جیسا گیا ہے ویسے ہی واپس ہوجائے لیکن یہاں ہر مقام جدا ہے اور ہر مقام کے احکام و آثار جدا۔

انسان جس رفتار سے اترتا ہے اسی رفتار سے چڑھنا مشکل ہے فردے حلق کرنا آسان ہے لیکن واپس کرنا مشکل۔ جب اس ترکیب سے ناکامی ہوئی تو انگلیاں ڈالی گئیں چھنکیں دلوائی گئیں۔ چمٹے سے کوشش کی گئی لیکن وہ نہ نکلا خالق کی طرف پلٹنے میں ایک اور صورت حائل تھی وہ ہے ڈاکٹر خانہ۔ کاش، انسان پہلے خدا کی طرف متوجہ ہو پھر سب کچھ کرے، دواخانہ پہنچ گئے۔ ڈاکٹر نے کہا اگر آپ آج نہ آتے تو ناک چیری جاتی اس کو میز پر لٹا دیا گیا ایک ٹوپی اس

کے چہرے پر آتی ہوئی نظر آئی اور وہ غیب ہوگیا۔کتنے بیوقوف ہیں صوفیاء کرام پر ہنسنے والے؟اشیاء میں اتنا اثر ہے کہ وہ انسان کو اس عالم سے بے خبر کردیتی ہیں تو کیا خالق اشیاء کے اسماء میں اتنا اثر نہیں کہ وہ انسان کو دوسرے عالم میں داخل کردیں اور یہی حقیقت ہے ذکر کی۔

لڑکا بیدار ہوا اس کی ناک میں روئی کا پھایہ تھا اور بس۔کیا کیا ہوا اسے کچھ خبر نہیں۔یہاں سے وہ اپنے بہنوئی کے ساتھ جن کو وہ وزیر ماموں کہتا۔مکہ مسجد پہنچا وہ وضو کرنے لگے اس کی نظر کبوتروں کے غول پر پڑی اس کی زبان سے نکلا۔وزیر ماموں وزیر ماموں! بندوق لیکر کبوتروں کو مارتے تو،٦٠ گرتے سالن بہت ہوتا۔الفاظ لڑکے کی مخصوص زبان میں پڑھئے تو لطف آئے۔چند مصلی بھی وضو کررہے تھے ہنس پڑے۔جب مال کثیر انسان کی نظر میں پڑتا ہے کم از کم نیت بدل جاتی ہے اور یہ نتیجہ ہے مالکیت کو مخلوق میں تقسیم کردینے کا۔

حکمت عملی (یا غصب اور ظلم)

دستر خوان بچھا ہوا ہے خویش واقارب بیٹھے ہوئے ہیں۔مرغ کا سالن ہے لڑکے کے حصے میں ایک ٹانگ آئی اور لڑکے کے خالہ زاد بڑے بھائی کے حصے میں ایک۔تھوڑی ہی دیر میں بے گوشت نلی لڑکے کے سامنے دستر خوان پر پڑگئی۔بڑے بھائی شوربے سے کھارہے تھے نلی رکابی کے کنارے محفوظ تھی۔لڑکے نے بڑے بھائی کے پیچھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا واہ واہ، لطیف صاحب (لڑکے کے خالو کا پروردہ لڑکا) کی پلیٹ تو دیکھو، وہ ادھر پلٹے اور ادھر نلی منہ میں اور دستر خوان پر ایک قہقہہ۔

بتائیے کیا کیا جائے اب دوسرے کی چیز پر قبضہ کرنا ہو فائدہ حاصل

کرنا ہو مانگنے میں ذلت ہو اور بزور لینے کی قوت نہ ہو سوائے اس حکمت عملی کے؟

کیا آج کل کے آدم خوروں کا یہی طریقہ نہیں ہے۔ دیکھو اس سب سے بڑے آدم خور برطانیہ کو کہ کس طرح ہندوستانیوں کا گوشت کھا رہا ہے جو یہ گاندھی کے مقابل ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ دیکھو جناح پلٹی لگا رہے ہیں اور ان کا حصہ ہضم کر جاتا ہے اور یہ دونوں ہیں کہ پلٹیاں لگاتے چلے جا رہے ہیں اور مجلس خاص برطانیہ میں ایک قہقہہ لگا ہوا ہے۔

ٹکٹ کلکٹر (ہوس کے نتیجے)

(مستقبل) دالان میں فرش ہوا ہے طبیعت سب کی موزوں ہے گفتگو ہو رہی ہے گفتگو کا رخ بدلا اور لڑکے کے مستقبل کے متعلق سوالات شروع ہوئے۔ بڑے بھائی سے سوال ہوا کہ تم کیا بنو گے انہوں نے جواب دیا کہ میں منتظم بنوں گا۔ دوسرا سوال لڑکے پر تھا بھائی اس کے مقابل ہی تھے اس نے کہا ہم ٹکٹ کلکٹر بنیں گے اور یہ کبھی بغیر ٹکٹ گاڑی پر سوار ہو جائیں تو اس طرح ایک تھپڑ لگائیں گے اور لڑکے کی پانچوں انگلیاں بھائی صاحب کے کلے سے چسپاں تھیں اور مجلس میں قہقہہ۔ کیا یہی نہیں ہوا جب جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا؟ ادھر سے روس اٹھ کھڑا ہوا کہ ہم بھی جدید یورپ کے منتظم بنیں گے ادھر جرمنی نے کہا کہ دیکھیے ہم اقتدار کی گاڑی کے ٹکٹ کلکٹر ہیں۔ اگر آپ نے ہماری مرضی کا ٹکٹ حاصل کئے بغیر قدم اٹھایا تو خیر نہیں اور جرمنی کے ۵۰۰ ڈویژن روس کے صدر مقام میں داخل ہو گئے اور برطانیہ کی باچھیں کھل گئیں کہ ہم بچ گئے۔

بداحتیاطی (خواہشات کا کنواں)

لڑکے کی طبیعت جب آبادی کے مشاغل سے اکتا گئی تو وہ باہر قدم رکھا اور یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کو زبان ہو اور دل نہ ہو پھر یہ عقلمند انسان آفاق میں گھوم کر اللہ ، ملائکہ وغیرہ کے وجود پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنی آبادی (انفس) کے مشاغل میں کیوں محو نہیں ہوجاتا اس کے بعد اس کا آفاق میں نکلنا اقتضاء فطرت ہے۔

وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ ہے گل کی چھڑیاں ہاتھ میں ہیں باولی (کنویں) کی تلاش ہے۔ آخر وہ ایک باولی پر پہونچے مچھلیاں پکڑنے کی فکر ہے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرف سے ڈورا ڈالا جائے سوائے موٹ کے کوئی کہ یہ دیکھا نہیں گیا کہ موٹ کی کیا حالت ہے دوسرے یہ کہ دونوں نے وہی جگہ منتخب کی۔ خواہش بھی انسان کو اندھا کردیتی ہے دیکھا نہ بھالا، مچھلی کی چھڑی درست کی اور موٹ کے دونوں سروں پر جا بیٹھے ڈورا پڑا ہی رہا ہے کہ ساتھ ہی موٹ بھی باولی میں آرہا اور اس کے اوپر یہ دونوں غنیمت ہے کہ تیرنا جانتے تھے نکل آئے ورنہ برائے شکار جاکر بجائے شکار ہوجاتے۔

خواہشات کی باولی بھی عجیب ہے نفس وشیطان اس کے موٹ ہیں اور اتنے بودے کہ خدا کی پناہ۔ انسان اپنے خواہشات کی تکمیل کو یہی موٹ پسند کرتا ہے اور یہی جگہ اچھی بھی نظر آتی ہے اور ان کی یہ حالت ہے کہ ان پر قدم رکھا اور یہ معاصی کے کنویں میں لے گرے اگر توبہ کا تیرنا نہ جانا تو بے چارہ ہلاک ہوجائے کتنی خطرناک ہے بداحتیاطی بھی۔

سنا جارہا ہے کہ ہندوستان کے مشرقی موٹ پر جاپان سوار ہوگا اور

مغربی موٹ پر جرمن ۔ پھر ہندوستان کی مچھلیاں پکڑی جائیں گی خدا کرے کہ ہندوستان کے یہ ساحلی موٹ بودے ثابت ہوں اور وہ دونوں بحر ہند میں ڈوب مریں۔

باؤلی کے کنارے جام کے درخت تھے یہ کپڑوں کو ہوا کھانے ڈال دیئے اور جام کے درختوں پر چڑھ گئے جب سیر ہوگئے تو اترے اور گھر کا راستہ لیا والدین کو اس وقت خبر ہوئی جو لڑکا اس کے اثر سے بستر مرض پر شدت بخار سے تڑپ رہا تھا اور یہی پہلا مرض ہے جس میں لڑکے کو بے ہوشی سے سابقہ پڑا۔

تعلیم (اور توحید وجودی)

کثرت وتفصیل بھی عجیب فرقے پیدا کرتی ہے ۔ لڑکے کے علم کی کثرت ہوئی تو یہ شعبے ہوے سماجی علم جو پہلا نکتہ ہے ۔ درسی علم یا معاشی علم، قرآن کا علم یا مذہبی علم ۔ وہ جماعت صغیر سے سوم تک کسی جماعت کا امتحان نہ دیا۔ ایک جماعت سے نکلا دوسری میں داخل ہوا۔ جب سوم سے امتحانات شروع ہوے تو پھر کسی جماعت میں ناکام نہ ہوا، کوئی ۱۱۔۱۲ برس کا ہو گا، جب یہ سوم میں تھا۔ اب ذرا کثرت کے نتائج دیکھو!

- علم کی کثرت ہوئی تو پیدا ہوئے فلسفہ، منطق، صرف، نحو، کلام، طب، نجوم، نہ معلوم اور کیا کیا؟۔
- آدمیوں کی کثرت ہوئی تو پیدا ہوئے شیخ ، سید ، مغل ، پٹھان ، امیر غریب وغیرہ۔

- مذہب کی کثرت ہوئی تو پیدا ہوئے اسلام عیسائیت ، یہودیت ، بدھ مت ، جین مت وغیرہ
- اسلامی علوم کی کثرت ہوئی تو پیدا ہوئے تفسیر ، حدیث ، فقہ ، تصوف وغیرہ۔
- مسلمانوں کی کثرت ہوئی تو پیدا ہوئے سنی، شیعہ ، وہابی ، بدعتی ، کچھ اوپر بہتر فرقے وغیرہ۔
- زمانوں کی کثرت ہوئی تو پیدا ہوئے دن ، ہفتے ، مہینے ، سال ، صدی ، قرن وغیرہ۔
- ذرائع معاش کی کثرت ہوئی تو پیدا ہوئے زراعت ، تجارت ، ملازمت ، مزدوری وغیرہ۔

صرف اسی پر معاملہ ختم نہیں ہوجاتا ، تفصیل کرتے جاؤ تو عمر ختم ہو جائے اور یہ سب نتیجہ ہے انسانوں کی کثرت کا۔

غرض، اگر اس کثرت و تفصیل کے سمندر میں غوطہ مارو تو یہ نکتہ نکل آئے ۔ ہر ہر فرد کا مذہب و مسلک الگ ، زبان الگ، ذریعہ معاش الگ۔ مختصر یہ کہ علم الگ، عمل الگ۔ نکتہ در نکتہ یہ کہ جتنی مخلوق اتنی باتیں۔ فرمایئے اس زق زق اور بق بق سے نجات کی کیا صورت ہے۔

اہل دنیا کافران مطلق اند
روز وشب در زق زق و در بق بق اند

ہم کو تو نجات اسی میں نظر آتی ہے کہ یکتائی کی طرف رجوع کیا جائے۔

ایک کو پکڑلیں، دل میں ایک ہی کے لیے جگہ محفوظ کردیں۔ نظریں ایک ہی کو جمالیں۔ غرض یہ کہ اپنی تمام صفات ایک ہی کے لیے وقف کردیں۔ دنیا کی کثرت ، اس کے اشغال و اعمال کی کثرت ، اس کی نیر نگیوں کی کثرت جاری رہتی ہے تو جاری رہے ہمیں کیا، ہم تو ایک ہیں ، ایک سے ہیں۔ کتنا باریک اور لطیف نکتہ ہے ۔ کیا ایک ہی چیز کی تفصیل کا نام کثرت نہیں ؟ کیا مشاہدات کا بھی انکار کریں گے وحدۃ الوجود کے منکر؟ کتنے صاحب عقل اور اصولی ہیں، عشاق وجود۔ اللہ کی ان پر رحمت ہو۔

قرآن (حکیم کا کام تحت حکمت ہے)

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ مغل گدہ میں طاعون پھوٹ پڑا۔ لڑکے کے والدین ایک باولی کے پاس خیمہ زن ہوئے اتنے میں رمضان المبارک بھی آپہونچے یہ مدرسہ میں قرآن کی چند سورتیں سبقاً پڑھ چکا تھا قرآن مجید کا ختم نہیں ہوا تھا۔ لڑکا ذہین تھا ۔ یہ سحر کرتے ہی رضائی اوڑھے قرآن لیئے ناناحضرت کے روبرو بیٹھ جاتا یہ پڑھتا اور وہ سنتے جہاں غلطی ہوتی ۔ بتادتیے اسی طرح سارے رمضان میں قرآن مکمل ہوگیا۔ یہی ابتدائی ایام اس کے لئے رحمت کے دن ثابت ہوئے کتنی سچی بات کہی ہے کسی نے

خدا شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد،

آنکھ کھولیں خدائی کاموں پر اعتراض کرنے والے ۔

یہ قرآن پڑھا ہوا نہیں تھا سارا قرآن کیسے پڑھ لیا صرف چند غلطیوں کے ساتھ کتنا اچھا دل تھا لڑکے کا بھی۔

کیا علم کتاب میں ہے ؟ پھر یہ تالیف و تصنیف کا سلسلہ کیوں جاری ہے یہ نئی نئی باتیں کہاں سے نکل رہی ہیں ۔دنیا کی اکمل کتاب جس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم اسی میں ہے کتاب وہ بھی کامل انسان کے دل میں موجود نہیں ؟ کتنے حفاظ کرام کے نام گنواؤں؟ کتابوں کا سرمایہ ختم ہو گیا اب بتائیے علم کہاں ہے ؟ کتنی عجیب و غریب اور کتنی جامع چیز ہے یہ دل، کیا بصارت کی تحریک سے جذبات برانگیختہ نہیں ہو جاتے اگر علم الفاظ کی صورت سے ظاہر ہو تو تعجب کیوں؟

کیا صاحب دل الفاظ کا محتاج ہے ؟اس کے دل کو سمجھو جس کے دل پر قرآن نازل ہوا ہے ۔ کتنی عظیم المرتبت ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی! ۔کتنے مبارک ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ربط پیدا کرنے والے! اللھم اجعلنا منھم اور کتنے کم ظرف ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو محدود سمجھنے والے۔ اللھم احفظنا منھم۔

نوجوانی (جوہر انسانیت)

لڑکا اب نوجوان ہے اس کا ارتقاء جاری ہے اور اس میں کمال پیدا ہوتا جارہا ہے آیئے ذرا نوجوانی کو دیکھتے چلیں ۔جوہر جسم بنا خون کا لوتھڑا۔اس لوتھڑے کی بنیں ہڈیاں اور ہڈیوں سے پیدا ہوا خون اور خون سے بنا جوہر جسم۔ جب جسم سے جوہر جسم نکل گیا تو یہی ہے نوجوانی ۔اک اور نظر ۔جوہر انسانیت (مَیں پن) بنا علم، اور علم بنا ارادہ اور ارادہ بنا قدرت اور تکمیل ہو گئی جوہر انسانیت کی۔

یہ تصرف کرنے لگا اس سے پتہ ملا قدرت کا، اس سے پتہ ملا ارادہ کا، اس سے پتہ ملا علم کا اس سے پتہ ملا جو ھر انسانیت کا جب انسان سے جو ہر (بیں پن) نکل گیا تو یہی ہے نوجوانی انسانیت کی، دین کی۔ کتنا حقیقت پر بنی ہے قول کل شیئی یرجع الی اصلہ کا کس خواب وخیال میں ہیں، احادیث کے منکر؟

جب انسان میں جوہر جسم کی تکمیل ہو گئی اور اس کا ثبوت مل گیا تو یہی ہے ابنیت، اور جب انسان میں جوھر انسانیت کی تکمیل ہو گئی اور اس کا شعور حاصل ہو تو یہی ہے "عبدیت" جوہر جسم کو باپ کی امانت کا سمجھنا اور اس کو اس کے منشاء کے مطابق استعمال کرنا "وراثت" ہے اور جوہر انسانیت کو خالق انسان کی امانت سمجھنا اور اس کے منشاء کے مطابق استعمال کرنا خلافت" ہے خیر اس مجذوب کی بڑ کو چھوڑو۔

کتنے مشاہدات کے بعد بنا ہو گا کل جدید لذیذ کا مقولہ۔ بھوک ہر روز جدید ہوتی ہے اور غذا ہر روز لذیذ ہوتی ہے ساعت اور گھڑیاں رات اور دن بدلتے جاتے ہیں نئے ہوتے جاتے ہیں اس لئے انسان ان سے بیزار نہیں ہوتا ہر صبح انسان کی طبعیت میں جدّت پیدا ہوجاتی ہے موسم بہار میں نباتات کی تجدید عجیب لطف پیدا کرتی ہے غرض ہر ہر ذرہ مکمل اور جدید ہوتا نظر آتا ہے اور یہی حال ہے انسان کا بھی ورنہ یہ حیات مستعار کتنی مشکل ہو جاتی بلکہ ناممکن ہوجاتی اگر یہ تبدیل و تجدید جاری نہ رہے تو دنیا بھی کتنی بے کار چیز ہو جائے اور اگر دنیا میں یہ تجدید کا سلسلہ جاری نہ رہتا تو انسان یقیناً اس بار کو واپس کر دیتا جس کو اٹھانے کی کسی مخلوق کو ہمت نہ ہوئی اور یہ اٹھالیا تھا کتنا حکیم ہے "کل یوم ھو فی شان" کہنے والا! کیا یہی مسئلہ ہے تجدد امثال کا؟

سیر و سفر

دنیا میں رہنے والوں سے دنیا کے دھندے بھی کہیں چھوٹ سکتے ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ انسان زندہ رہے اور سانس نہ لے۔! نوجوان کی طبیعت کی رنگینیوں نے اس کو دارالعلوم میں پڑھنے کے مواقع نہ تھے۔ لیکن اب جبکہ اس کی طبیعت کے موافق ایک چیز نکل آئی، اس نے پھر میدان عمل میں قدم رکھا اور جب ۱۳۵۶ھ میں امتحان جماعت منشی کی تیاری کے لئے وہ ادارہ شرقیہ میں شریک ہو گیا، چونکہ یہ علم اس کے مسائل حیات سے متعلق تھا نہایت آسانی سے اس نے تیاری کرلی۔

(تنگ نظر کون؟)

ذرا ان عقلمندوں کو دیکھو کہ تعلیم ہوتی ہے حیدر آباد میں اور امتحان ہے لاہور میں۔ اور اسی پر اتنا دماغ ہے کہ دنیا کو آخرت پر مقدم کیا جارہا ہے۔ گویا سودا نقد ہے۔ ذرا دیکھو، جہاں کسی نے لاالٰہ کے ذریعہ الوہیت غیر اللہ کو نکال پھینکا اور الااللہ کے ذریعہ الوہیت الٰہیہ کی تصدیق کرلی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیا، وہیں اسے مومن کی سند مل گئی۔ فرمایئے کونسا سودا نقد ہے۔

نوجوان نے سفر کے انتظامات کا خرچ اپنے مدرس صاحب کے حوالے کر دیا اور بے فکر ہو گیا۔ جس طرح حاجی اپنے انتظامات کا خرچ معلم کے حوالے کر دیتا ہے اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور طعام و قیام کے بارے سے نجات مل جاتی ہے۔ جب یہی معقول طریقہ ہے تو پھر جب کوئی امیدوار راہ حق کے خرچ

وانتظام کے لئے اپنے مرشد کی خدمت میں نقد دل پیش کرے تو وہ تنگ نظر اور قدامت پرست کیوں؟ کتنا وسیع دائرہ ہے بیوقوفی کا بھی۔

(تصرف باطنی)

غرض نوجوان ۱۶ / صفر ۱۳۵۷ھ کو ریل پر سوار ہو گیا۔ ریل سے ایک چیخ نکلی جو ڈرائیور کی توجہ کا نتیجہ تھا اور ریل حرکت میں آ گئی۔

پھر اس بے چارے پر کیوں ہنسا جاتا ہے جو اپنے مرشد کی توجہ سے چیخ اٹھتا ہے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگتا ہے۔ کتنا بعد ہو گیا ہے روحانیت سے ورنہ ہر شئ میں ایک حقیقت ہے۔ ایک حقیقت کیا بلکہ صدہا حقائق ہیں۔

(مناظر قدرت اور حقیقت)

نوجوان نے اپنا معمولی سا زاد سفر ایک مقام پر رکھ دیا۔ اور وہ ایک دریچہ کے پاس بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں آبادی ختم ہو گئی اور مناظر قدرت کا مشاہدہ ہونے لگا۔

جوں ہی گاڑی کی رفتار تیز ہوئی ہر شجر و حجر متحرک نظر آنے لگا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ زمین کے متحرک ہونے کا نتیجہ ہے۔ خیر کچھ ہو ایک مثال تو مل گئی کہ ایک شئ ہو کچھ اور نظر کچھ آئے، ایسا ہو سکتا ہے۔ پھر یہ تحقیق کے مدعی متعجب ہو کر انکار کیوں کرتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ تم حقیقت میں نابود ہو اور بود نظر آتے ہو، آخر وہی تو بات ہے، صرف نظر کا دھوکہ ہے۔ اگر شک ہو تو

سلوک کی گاڑی پر سوار ہوجاؤ اور اپنے سے علحدہ ہوکر دیکھو، مشاہدہ ہوجائے گا۔ دیکھیں ہم بھی تمہارا جذبہ تحقیق! کیا کرینگے بے چارے آخر ابھی بچے ہی تو ہیں۔

ریل بڑھی اور نوجوان کی نظریں مناظر پر جم گئیں ۔ایک وجود دو ذات ۔ اسے ایک طرف سرسبز و شاداب جنگل نظر آرہے تھے تو دوسری طرف خشک اور چٹیل میدان ۔ وہ ایک طرف اونچے اونچے ٹیلے دیکھ رہاتھا تو دوسری طرف چھوٹے چھوٹے نشیب ،اس کی نظریں ایک طرف بلند بلند پہاڑ تھے تو دوسری طرف عمیق اور گہرے غار ۔اس پر ایک وقت دن کی روشن گھڑیاں گزررہی تھیں تو دوسرے وقت رات کی خاموش ساعتیں ،اس کی نظر کبھی مرد پر پڑرہی تھی تو کبھی عورت پر، کبھی وہ سردی محسوس کررہاتھا تو کبھی گرمی ۔ حالانکہ زمین ایک ہی ہے اور زمان ایک ہی ۔وہ ایک ہی زمانہ میں ان چیزوں کا مشاہدہ کررہاتھا اور ان سے ہی ایک دوسرے کی تمیز ہورہی تھی ۔ نشیب نہ ہوتو فراز کیا، خشکی نہ ہوتوتری کیا، رات نہ ہوتو دن کیا گرمی نہ ہوتو سردی کیا،عورت نہ ہوتو مرد کیا،شورنہ ہو توسکون کیا۔ غرض چیزیں اضداد ہی سے پہچانی جاتی ہیں جوذاتاً کبھی ایک نہیں ہوسکتے ۔

پھر بغیر عبد کے رب کا پتہ کس طرح چلے اور بغیر رب کے عبد کا وجود کیونکر ہو؟

یہاں ایک طرف اسماء وصفات وجودیہ کاملہ کا سرسبز وشاداب گلزار ہے تودوسری طرف صفات عدمیہ ناقصہ عبدیہ کاخشک اور چٹیل میدان۔ یہاں ایک طرف افعال کالہریں مارتاہوا سمندر ہے تو دوسری طرف انفعال کاخشک خطہ ،یہاں ایک طرف حاکمیت اور مالکیت کے بلند اور اونچے پہاڑ ہیں تودوسری طرف مملوکیت اور محکومیت کے عمیق اور گہرے غار۔

پھر یہ ذاتاً ایک دوسرے کے عین کس طرح ہوں؟ اور ایک دوسرے سے کتنی صفائی سے متمیز ہورہے ہیں۔ کتنا صاف اور صحیح راستہ ہے ایک وجود دو ذات کا۔ یہ ملحد بھی کتنے بے تمیز اور یک چشمی ہیں۔!

گاڑی آگرہ پر رکی اور نوجوان اتر پڑا۔ یہاں مٹی اور پتھر کی ایک عمارت ہے جسے لوگ دور دور سے دیکھنے آتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ بہترین عمارت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کام نہایت صفائی سے کیا گیا ہے اور معمار نے اپنا کمال دکھایا ہے۔ اسی ہنر کو دیکھنے بڑے عقلمند بھی آتے ہیں اور معمولی آدمی بھی۔ اور ہر ایک کی زبان پر اس کی تعریف کے گیت چڑھے ہوئے ہیں۔ کاش یہ اتنی ہی محنت اور وقت ایک ہستی کے مطالعہ میں صرف کریں جن کو احسن الخالقین نے تقویم احسن پر بنایا ہے پھر وہ اس حسن ظاہری و باطنی کو دیکھ کر متحیر اور مبہوت رہ جائیں گے جن کا نام مبارک محمد ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کتنی اندھی دنیا ہے ذرا اس کی معماری عقل تو دیکھو۔

یہاں سے گاڑی بڑھی اور دہلی روانہ ہوئی۔ اسٹیشن پر اترے نوجوان کے ساتھی سیر وتفریح کیلئے ٹانگوں پر، سیکلوں پر روانہ ہوئے اور یہ تنہا پیادہ پا حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی طرف چلا۔ کیوں نہ جائے جبکہ کشش ہو اور اس کشش کو وہ کیا جانیں جنھیں نہ موت معلوم نہ حیات۔ نوجوان کے ہاتھ اٹھے ، منہ سے نکلا "الہٰی محبوب کا توسل محبوبین میں جگہ دے"، عجیب پرسکون اور محبوب مقام ہے۔ بعد فاتحہ واپس ہوا۔

نوجوان دہلی کی جامع مسجد کے قریب ہے ، سامنے ہی ایک معمولی سی مزار نظر آرہی ہے جس سے ایک قسم کی بے باکی اور لاابالی آشکار ہے۔ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہی ہستی اس میں آرام کناں ہیں جن کے قصے خاص وعام کی

زبانوں پر جاری ہیں جنھوں نے شریعت وطریقت کے برزخ کو آشکار کیا تھا جن کو سمجھنے سے مولویوں کی عقل قاصر تھی جن کا عمل علماء ظاہر پر ہمیشہ کے لئے ایک حجت ہوگیا ہے اور انہیں معلوم ہوگیا کہ صوفیائے کرام علمائے ظاہری سے ہزار درجہ بڑھ کر فقیہہ ہیں جن کا اسم مشہور ہے ، حضرت سرمدؒ کتنا بامعنی نام ہے اور صاحب نام کا کتنا مخصوص مقام ہے ۔

سرمد غم عشق بوالہوس راندہند
سوز و غم پروانہ مگس راندہند
سالہا باید کہ یاد آید بکنار
ایں دولت سرمدہمہ کس راندہند

سچ ہے یہاں ہرایک کا حال جدا ہے اور مقام الگ ۔ کسی نے حضرت منصورؒ کے مقام کی کتنی اچھی تصویر کھینچی ہے

یہ رتبہ بلند ملاجس کومل گیا
ہرمدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

نوجوان کے ہاتھ فاتحہ کیلئے اٹھ گئے ۔ صاحب مزار کے توسل سے دعا کی ۔

تیرے شوق میں تومٹا مجھے ترے عاشقوں میں اٹھا مجھے
توشراب وصل پلا مجھے کہ اسی میں میری نجات ہے

دنیوی امتحان (اور دینی امتحان)

محرم ۱۳۵۵ھ میں نوجوان امتحان بورڈ ہفتم میں شریک ہوا اور کامیاب ہوگیا ۔ خوش ہونے والے اسی پر خوش ہوگئے ۔ دنیا بھی کتنی زبردست امتحان

گاہ ہے اور خود یہ نوجوانی بھی کتنا زبردست امتحان ہے ۔ عمر بھر کے اعمال کا خلاصہ کرو تو وہ سب کے سب نوجوانی میں ملیں گے ۔ یہی وہ امتحان ہے جس میں کامیابی کے بعد ترقی کے راستے کھل جاتے ہیں. نوجوانی کے ساتھ ہی انسان کی تعلیم شروع ہو گئی ۔ اسے بتادیا گیا کہ یہ صدیقین کی جماعت ہے، یہ شہداء کی جماعت ہے اور یہ صالحین کی جماعت ہے ۔ اس کے نصاب میں کلی طور پر ایمان، توحید، صدق، استقامت، سنت، حسنہ یاد داخل ہیں ۔ پھر ہر جماعت کے بعض ضروری مضامین ہیں ۔ جب اس نے ان باتوں کو قبول کرلیا تو شروع ہوا اس کا امتحان خوف سے، بھوک سے، نقصان مال سے، نقصان نفس و ثمرات سے، تاکہ کھرے سے کھوٹا الگ ہوجائے، صادق و کاذب میں تمیز ہوجائے ۔۔ اور یہ جب کامیاب ہوجاتا ہے تو اسے سند ملتی ہے صابر کی، شاکر کی، ولی کی، مومن کی ۔۔۔ عجیب دلچسپ امتحان ہے اور بڑا خطرناک اور نازک تر!

جب تعلیم یافتہ طبقہ سے یہی باتیں کہی جاتی ہیں تو وہ کیوں چیں بہ جبیں ہوجاتا ہے ؟ کیوں آوازے کستا ہے کہ یہ نفس کیوں ؟ ۔۔ شیطان کیوں ؟ ۔۔۔ برائی کیوں ؟ ۔۔۔۔ جذبات کیوں ؟ ۔۔۔

کیا مدارس میں یہی کچھ نہیں ہوتا ؟ ۔ کیا جماعتیں معیّن نہیں کردی جاتیں ؟ کیا نصاب مقرر نہیں کردیا جاتا ؟ ۔۔۔ کیا امتحان نہیں لیا جاتا ؟ ۔۔ پھر کہاں تک حق بجانب ہے یہ نفس پرست طبقہ ؟

اور دیکھئے چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تو قید نہیں ۔ ذرا بڑی جماعت کو لیجئے جب تک کسی منظور شدہ مستند مدرسہ کی سند نہ ہو جماعت میں شریک نہیں ہوسکتا ۔۔ امتحان نہیں دے سکتا ۔ خواہ کوئی بے چارہ کتابیں دھو کر ہی کیوں نہ پی لے ۔!

پھر یہ کیوں ہنستے ہیں جب ہماری زبان سے سنتے ہیں کہ جب تک کسی مقرب انسان کامل مرشد سے سند بیعت حاصل نہ کرلو۔ جماعت صدیقین اور شہداء میں شمول نہیں ہوسکتا۔

کتنا جہل مرکب ہے یہ تعلیم یافتہ طبقہ؟! ۔۔۔ (الاماشاء اللہ)

اور ایک نظر اس کو دیکھو کس طرح اپنے استاذ کی اپنے ممتحن کی چاپلوسی کرتے پھرتا ہے ۔۔۔ ان کی دعوتیں بھی ہوتی ہیں۔ ان کے گھروں تک موٹریں بھی جاتی ہیں۔ خدا معلوم اور کیا کیا ہوتا ہے۔ مگر جب اس سے کہا جاتا ہے کہ بزرگوں کا ادب کرو تو کتنی بے باکی سے نکلتا ہے اس کی زبان سے ۔۔۔ وہ تو ہم جیسے آدمی ہیں۔!

استاد (ثبوت آخرت)

نوجوان مدرسہ میں ہے ،سبق یاد نہیں کیا ہے ، گھر پر جو کام دیا گیا تھا نہیں کیا ،استاد نے سزا دی۔ یہ بلبلا اٹھا۔ اسکی طرف غصہ اور ناراضگی کی نظر سے دیکھنے لگا۔ دل ہی دل میں کوسنے لگا اسے معلوم ہے کہ اپنا ہی قصور ہے اور اس قصور میں اپنا ہی نقصان۔ لیکن اسے نظر آرہا ہے کہ مار رہے ہیں۔ اس پر اس کا دل نہیں ٹھیرتا کہ کیوں مار رہے ہیں۔ اسے کیا معلوم کہ استاد کے ہاتھ کی لکڑی ایک دن اس کے ہاتھ میں قلم بن کر آئے گی۔ استاد کے وہ سخت سست الفاظ اس کے دل میں علم بن کر جلوہ گر ہونگے۔

اسے کیا خبر کہ اس کے اپنے آنسو نظر و بصر کو پاک و صاف کررہے ہیں۔ استاد کے سامنے اس کا مجرمانہ کھڑا ہونا اسے بلندی پر پہونچانے کی طرف

اشارہ کر رہا ہے کتنی بابرکت ہے استاد کی ہستی ۔ استاد نے ازل سے دنیا کے مدرسہ میں بھیجا اسے اسلام کا سبق دیا۔ خلافت کا کام دیا۔ اب اگر یہ اس کو پورا نہ کرے تو کیوں سزا نہ دی جائے ۔ کتنے بیوقوف ہیں آخرت کے منکر ؟۔ آخر یہ ایک بات کو کیوں مانتے ہیں اور دوسری بات کا انکار کیوں کرتے ہیں جب کہ اصول ایک ہی ہے ۔

مدرسین (خصوصی توجہ اور شفقت)

آج نوجوان کے ہاتھ میں قلم ہے اس کے دل میں علم جلوہ گر ہے اس کی نظر و بصر میں صفائی پیدا ہو گئی ہے ۔ جس کا ثبوت یہی چند پریشان خیالات ہیں جو اس کے بلند مستقبل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور یہ نتیجہ ہے ان اصحاب گرامی کی خصوصی توجہات کا ۔

مولوی احمد شریف صاحب ۔ مولوی خواجہ کریم الدین صاحب ۔ مولوی امیر احمد صاحب رضوی ۔ مولوی حافظ عزیز الرحمن صاحب ۔ مولوی محمد جعفر صاحب ۔ مولوی سید ریاض الدین علی صاحب حسامی (مدرسین مدرسہ وسطانیہ مغل گدہ) مولوی خیر الدین صاحب قمر ۔ مولوی علاء الدین صاحب (ادارہ شرقیہ) اور یہ نوجوان کے نانا مولوی عبد الرحمن صاحب خطیب مغل گدہ مولوی محمد جعفر صاحب سے نوجوان کی اردو ادب اور فارسی کی عمارت صاحب موصوف ہی کی بنیادوں پر مکمل ہوئی ۔ موصوف نہایت وسیع علم و تجربہ کے مالک تھے خدا مغفرت کرے ۔ نوجوان مولوی سید ریاض الدین علی صاحب کا شکریہ کس طرح ادا کرے ۔ جب یہ اپنی مستی میں صبح کے دس دس بجے تک سوتا رہتا وہ لڑکے کو بھیج کر مدرسہ بلواتے ۔ گذشتہ اسباق کو دہراتے ۔ گھر پر بلاتے ، خصوصی نصیحتیں

کرتے ۔ استاد کو بھی کتنی محبت ہوتی ہے اپنے شاگرد سے ۔

(ظاہری سفر اور روحانی سفر)

دہلی سے ریل نکلی اور نوجوان کو لاہور پہنچادی ۔ اب وہ لاہور میں ہے ۔ لاہور تک پہنچنے میں نوجوان کو بیسیوں اسٹیشن ملے ، ہزاروں آدمیوں کی آمدورفت نظر آئی ۔ صدہا مناظر ومقامات نظر سے گذرے اور جب گاڑی منزل پر پہنچی تو آمدورفت کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور گاڑی خالی ہوگئی ۔

ذرا ان آدمیوں کو دیکھو کہ جب ان سے سفر کے حالات و واقعات ، مناظر ومقامات کا ذکر کیاجاتا ہے تو یہ کتنی توجہ اور شوق سے سنتے ہیں اور واقعات ان کی زبانوں پر چڑھ جاتے ہیں بلکہ سفر کی تیاری ہی شروع کردیتے ہیں ۔ بعض کا تو یہ حال ہیکہ جہاں انہوں نے کسی مقام کا حال سنا اور وہ چل پڑے ۔

پھر یہ کیوں بے توجہی اور لاپرواہی سے منہ پھیر لیتے ہیں جب صوفیائے کرام کی زبان سے سنتے ہیں کہ دل کی گاڑی پر سوار ہوجاؤ اور ملک لاہوت کی سیر کو نکلو ۔ راستے میں تم کو بیسیوں مقامات ملیں گے اور ہزاروں خطرات کی آمدورفت نظر آئیگی ۔ صدہا انوارو تجلیات نازل ہونگے اور تم ان عجائب و غرائب سے مبہوت ہوجاؤ گے اور جب منزل مقصود پر پہونچ جاؤ گے تو دیکھو گے کہ خطرات کی آمدورفت مفقود ہوگئی ہے اور گوہر مقصود ہاتھ آجائے گا ۔

کتنی صاف مثال ہے لیکن موانعات سفر نفس و شیطان سے لاعلمی ، ظاہر پرستی کے شوق ، باطن کی تکذیب اور ان سبکے علاوہ ہٹ دھرمی کا کیا علاج ؟

نوجوان لاہور میں داخل ہوگیا ۔ انتظام سارا مدرس صاحب کے ذمہ

تھا ۔ اسے کیا فکر ۔۔۔انار کلی میں اسے ایک سہ منزلہ مکان دیا گیا ۔ اس کے ساتھیوں نے کمروں میں اپنا بستر جمالیا اور یہ سب سے اوپر گویا چوتھی منزل سمجھو یا گھر کی چھت ۔ جہاں کمرہ ہے نہ پانی کا نل ،اور جہاں دن تمام سایہ بھی نہ رہتا تھا ،اپنا تکیہ لگادیا اونچی اونچی دیواروں کا سایہ آجاتا تھا اور اسی میں پڑا رہتا تھا ۔ یہاں سے آبادی دور دور تک نظر آتی اور پرسکوں اوقات میں بڑا لطف آتا ۔

صبح کا سہانہ وقت ہے ۔ یہ بعد فجر بیٹھا ہوا ہے کبوتر کے پر کبھی کھل رہے ہیں کبھی بندھے جارہے ہیں اور اسی قبض و بسط پر ان کی پرواز کادارومدار ہے اور اسی سے وہ فضاء میں معلق ہے اگر ان دونوں صفات میں سے کسی ایک صفت کو بھی معطل کردیا جائے تو پرواز ناممکن ۔ کتنا صاحب رحم اور حکیم ہے ۔ لایمسکه الا الرحمن کہنے والا زندگی میں قبض و بسط بھی ضروری ہیں بلکہ اسی قبض و بسط سے زندگی گذر رہی ہے ۔ صرف قبض ہی قبض ہو یا بسط ہی بسط ،نظام زندگی بگڑجائے گا ۔ اور زندگی میں اسی قبض و بسط کا ایک ظہور رنج وراحت بھی ہے ۔ پھر انسان رنج و غم سے ناراض کیوں ہے ؟

(حصول فیض)

نوجوان بعد مغرب اسی چھت سے محو تماشہ ہے کہ دور سے اسے تاروں جیسی جگمگاتی روشنی نظر آئی ۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بجلی کے لیمپ ہیں جہاں سے کچھ آوازیں بھی آرہی تھیں ۔ وہ کچھ دیر دیکھتا رہا پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ چلو دیکھ آئیں کچھ نہیں تو تفریح ہی ہوجائے گی ۔

وہ مختلف راستوں سے گذرنے کے بعد ایک بازار میں پہنچا جہاں چہل پہل بہت تھی ۔ آگے ہی بجلی کے لیمپ نظر آرہے تھے ۔ لوگوں کی آواز سے

بازار گونج رہا تھا۔ یہاں سے گذر کر وہ ایک کمان کے قریب پہنچا جس کے اطراف اسے ایک قبہ نظر آرہا تھا تو دوسری طرف ایک مسجد۔ اس کی نظر ایک کمان پر پڑی، کچھ اشعار لکھے ہوئے تھے۔ سب الفاظ سے گذر کر اس کی نظریں ایک جملہ پر تھوڑی دیر کے لئے جم گئیں۔ لکھا تھا۔ "حضرت داتا گنج بخشؒ"... نوجوان مسرور ہو گیا کہ اس کی محنت ٹھکانے لگی۔

وہ اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی ایک چھوٹا سا شش پہلو یا ہشت پہلو قبہ بنا ہوا ہے چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے۔ اس کے نیچے ایک قدِ آدم مزار ہے جس میں صاحب "کشف المحجوب" آرام کررہے ہیں۔ گنج بخشی جاری ہے۔ صدہا عوام اور بیسیوں فقراء موجود ہیں لیکن معلوم نہیں کتنے زیارت قبور و حصول فیض کے طریقے سے واقف ہیں۔

نوجوان بعد فاتحہ مسجد میں داخل ہوا کچھ نفلیں پڑھ کر صاحب کشف المحجوب کے توسل سے دعا کی:

داتا، صاحب کشف المحجوب کا توسل حجابات رفع کردے۔

مشہور ہیکہ جو شخص چالیس دن تک یہاں کی جاروب کشی کرے خالق گنج بخش اس کی مراد پوری کردیتے ہیں۔

تماشہ دیکھنے گئے اور مل گئے گنج بخش، عجیب تماشہ ہے۔

بیعت

نوجوان کی طبعیت عجیب ہوگئی وہ دنیا کی کشمکش سے پریشان ہوگیا۔ پڑھنے سے طبعیت اچاٹ، کام کاج سے دل بیزار، کسی صورت قرار ہے نہ

سکون ۔ اس کے دل میں دو سوال متمکن ہو گئے ۔ (۱) ۔ کہاں جاؤں ۔(۲) کیا کروں ۔ وہ کون ہے جو آج سکون و قرار کا متلاشی نہیں ۔ فلسفی ، شاعر ، عالم متکلم سب ہی اس کے جویا نظر آتے ہیں ۔

فلسفی سوالات میں غرق ، شاعر خیالات میں گم ، متکلم اصول میں محو اور عالم ، علمِ فروعات میں الجھا ہوا ہے اور سب کے سب بے چین ۔

پھر ایسی دنیا میں اس کا کیا حال ہو جو ابھی نوجوانی سے مست ہو ۔ جس کے جذبات میں تصادم ہو جس کی نظر متضاد چیزوں پر پڑ رہی ہو ۔

جب انسان ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تدابیر سے تھک جاتا ہے ۔ اپنے بے بسی اس پر ظاہر ہو جاتی ہے تو اس کی زبان سے کتنی بار بے اختیار طور پر نکل جاتا ہے اللہ ۔ کتنا پیارا ، کتنا سکون نواز ، کتنا قرار بخش کتنا فیصل لفظ ہے ۔ مہمل لفظ کا زبان سے نکالنا بھی بار معلوم ہوتا ہے استعمال تو الگ رہا ۔ کہیں کتاب میں آجائے تو ناظر کی طبعیت ملول ہو جائے ۔ مصنف پر داغ آجائے ۔ کسی مقرر کی زبان سے نکلے تو سامعین میں قہقہہ پڑ جائے اور مقرر کی حیثیت ظاہر ہو جائے ۔

اب اس لفظ پر غور کرو جو کتاب کی زینت ہو ۔ ناظر کے چشم کی راحت ہو ۔ مقرر کے لئے برکت ہو ۔ سامعین کے لئے رحمت ہو جو اتنا سہل ہو کہ گہوارے کے بچے کی زبان پر چڑھ جائے ۔ جو طالب کی زبان و دل سے بے اختیار نکل جائے ۔ دل تو خیر دل ہی ہے ہر ہر بال و رگ و ریشہ بھی پکار اٹھے ۔

ہائے کتنا سہل ، کتنا لذیذ کتنا پر معنی ہے یہ لفظ ۔ بلکہ سراپا معنی ۔ لفظ ہی کی یہ حالت ہے تو معنی ؟ اسم ہی کی یہ حالت ہے تو مسمّیٰ ؟

(اللہ کیسے ملے)

اب کیا کرے اور کہاں جائے نوجوان ؟

علم اہل علم ہی سے لیا جاسکتا ہے ،ہنر صاحب ہنر ہی بتا سکتا ہے ۔

فلسفہ فلسفی سے ،منطق منطقی سے ، کلام متکلم سے ،حدیث محدث ہی سے مل سکتی ہے ۔ نجاری نجار سے ،بید بافی بید باف سے ،زرگری زرگر ہی سے حاصل ہو سکتی ہے ۔ پھر معنی اہل معنی ہی سے ملیں گے ۔ اور اللہ اہل اللہ ہی سے ۔ نوجوان کو اہل اللہ کی تلاش ہے ۔ مولانا روم پہلے ہی آگاہ کر چکے تھے ۔

اے بسا ابلیس مردم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

(تصوف کے نام پر گمراہی)

اب اس کا مشاہدہ بھی ہونے لگا ۔ کتنی پر حقیقت ہیں اولیاء کی باتیں ۔ جدھر دیکھو نذرانوں کا بازار گرم ہے ۔ غریبوں کا خون چوسا جارہا ہے ، پھولوں کے گجرے منگائے جارہے ہیں مرغن دعوتیں واجب کردی گئی ہیں ۔ قیمتی عبائیں اور عمامے زیب تن ہیں ۔ کتابوں اور شجروں کی فروخت سے جیب گرم کیا جارہا ہے ۔ قدم بوسی رکن اول ہے ۔ زبان ہلانا بے ادبی ہے اور مرید ہونے تک راز کی باتیں سننے کی اجازت نہیں ۔

یہ سب کچھ لے کر آنے والے بے چارہ کو جو بدل دیا جارہا ہے وہ ملاحظہ ہو ۔ میرا تصور کر گویا ہر جگہ میں ہوں ۔ جب بے چارہ کا تصور کامل ہو گیا تو کہہ

دیا گیا کہ میں ہی تو خدا ہوں دیکھتا نہیں کہ ہر جگہ موجود ہوں۔ اور وہ بے چارہ اسی حال میں مر گیا، یا الگ کان مانگا اور کہہ دیا "میں خدا تو خدا، روح خدا، رسول خدا، اور سب کا سب خدا، اندھا خدا، لنگڑا خدا، عورت خدا، مرد خدا (نعوذ باللہ من ذالک)

یا کسی بے چارہ کو کوئی ذکر بتادیا، پہاڑ پر بٹھادیا جورو بچوں سے جدا کردیا اور فخر کرنے لگے اس پر۔ اس پر کچھ آثار مرتب ہوئے اور کچھ روشنی نظر آ گئی تو وہ سمجھ گیا کہ بس ہم نے دیکھ لیا اور مرشد نے بتادیا ... یا عمل تسخیر کرلیا اور بیوقوفوں کو اپنا گرویدہ بنا رکھا۔ عجیب مرشدی ہے اور عجیب خرافات۔ جس کی عقل سلیم ہو اس کے پاس ان خرافات کی حیثیت ظاہر ہے۔

گھومتے گھومتے آخر نوجوان کی رسائی ہو ہی ہو گئی۔ وہ ایک ہستی کے سامنے کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور یہیں سے اس پر سکون طاری ہو گیا ہے۔ زبان مبارک سے ارشادات جاری ہیں اس کے کانوں میں وہ آواز گونج رہی ہے جس سے پہلے وہ ناآشنا تھا۔ اس کی عقل معطل نہیں۔ روشن ہوتی جارہی ہے۔ اس کا دل مسحور ہوتا جارہا ہے اور طبیعت مسرور ابھی تک سوال کرنیکی نوبت نہیں آئی کہ بے چینی سکون سے بدل گئی، بیقراری قرار کی صورت میں جلوہ گر ہو گئی۔

کتنی پر اثر صحبت ہے، سرور افزاء، مسرت بخش

صحبت یک ساعت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

رسم ہو، چڑھاوے چڑھائے جائیں، پیام و سلام مکمل بھی ہو جائے تو کیا، دلہن کو دیکھنے کے لئے عقد ضروری ہے اور وہ بغیر قاضی کے ناممکن۔ آخر وہ مبارک و مسعود گھڑی آہی گئی، نوجوان کے ہاتھ قاضی صاحب کے مبارک

ہاتھوں سے مل گئے۔ اور ۲۶ / رمضان ۱۳۵۵ھ شب شنبہ شب قدر میں نو بجے اس مبارک مسعود رسم کی تکمیل ہو گئی۔ الحمد للہ علی ذالک۔

اثناء رسم میں قاضی صاحب اور نوجوان کی نظریں چار ہوئیں، پھر خدا معلوم کیا ہوا ... آخر میں قاضی صاحب نے نوجوان کے کان میں ایک بات پھونک دی جس کے ساتھ ہی دلہن مقصود وجود کے ساتھ ساتھ دنیا و مافیہا کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ اب قاضی صاحب کو کیا کہیں اور کیا سمجھیں۔ یہ وہی مبارک ہستی ہے جن کا نام مبارک ہے "محمد حسینؒ" اور جن کا سلسلہ مبارک قادریہ اور چشتیہ ہے اور جو نوجوان کے لئے حضرت پیر و مرشد، ہادی بجائے رسول سب کچھ ہیں اور نوجوان سلسلہ عالیہ قادریہ میں منسلک ہو گیا۔ یہاں نہ جبہ ہے نہ عمامہ، نذرانہ ہے نہ مجرا، کتابیں ہیں نہ شجرہ، قدم بوسی ممنوع، دعوتیں منسوخ، سوال کا کامل اختیار اور سننے کی عام اجازت۔ کتنی عظیم الشان اور فیاض ہستی ہے۔ کیا دعا کیجئے سمجھ میں نہیں آتا۔

اس تبدل و تجدید کی بھی ایک منزل نوجوانی ہے۔ اب اس کی لذت پر غور کرو۔ جس پر حیات انسانی کا مدار ہے اور خصوصاً جب کہ وہ جدید بھی ہو۔ نوجوان کی ابتداء ہوئی اور ہر چیز جدید ہوگی اور لازم و ملزوم کی طرح لذیذ بھی دل بدل گیا، نظر بدل گئی، دل میں امنگیں بھر گئیں اور نظر میں حسن مجازی ... اب کیا ہے، جدھر دیکھو حسن ہی حسن جلوہ گر ہے۔ جب آنکھوں میں حسن سما جائے تو دل عشق سے خالی کیوں رہے؟ جب کوئی شئے پہلے ہی سے حسین ہو تو؟ جواب، نوجوان ہی جانے!

یہی وہ منزل ہے جہاں عقل کا جذبات پر غالب آجانا خرق عادت سے

کم نہیں ۔ کچھ اور اب ذرا اس نوجوانی پر بھی غور کرو ۔ جس پر حیات روحانی کا انحصار ہے اور اس کی لذت کا اندازہ کرو ۔ خصوصاً جب کہ وہ جدید بھی ہو جوہر انسانیت جدید ہوا اور ہر چیز جدید ہوتی چلی گئی اور لازم وملزوم کی طرح لذیذ بھی بھی ۔ یہاں بھی دل بدل گیا ۔ ، نظر بدل گئی ۔ دل میں عشق حقیقی بھر گیا اور نظروں میں حسن حقیقی ۔ بالفاظ دیگر جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے ۔۔۔ اور جب کوئی شئے پہلے ہی حسین ہو تو اور کیا کہئے ۔ من تو شدم تو من شدی ۔ یہی وہ منزل ہے جہاں انا الحق پر انی عبد اللہ کا غالب آنا خرق عادت سے کم نہیں ۔ کب تک مبتلاء رہیں گے صورت پرستی میں مولوی اور زاہد !

امتحان : (دنیوی امتحان سے اخروی امتحان تک)

محرم ۱۳۵۵ھ میں نوجوان ، امتحان بورڈ ہفتم میں شریک ہوا اور کامیاب ہو گیا ۔ خوش ہونے والے اسی پر خوش ہو گئے ۔ دنیا بھی کتنی زبردست امتحان گاہ ہے اور یہ خود یہ نوجوانی بھی کتنا زبردست امتحان ہے ۔ عمر بھر کے اعمال کا خلاصہ کرو تو وہ سب کے سب نوجوانی میں ملیں گے ۔ یہی وہ امتحان ہے جس میں کامیابی کے بعد ترقی کے راستے کھل جاتے ہیں ۔ نوجوانی کے ساتھ ہی انسان کی تعلیم شروع ہو گئی ۔ اسے بتا دیا گیا کہ یہ صدیقین کی جماعت ہے ۔ یہ شہداء کی جماعت ہے ، یہ صالحین کی جماعت ہے ۔ اس کے نصاب میں کلی طور پر ایمان ، توحید ، صدق ، استقامت ، سنت حسنہ اور یاد داخل ہیں ۔ پھر ہر جماعت کے بعض ضروری مضامین ہیں ۔ جب اس نے ان باتوں کو قبول کر لیا تو شروع ہوا اس کا امتحان خوف سے ، بھوک سے ، نقصان مال سے ، نقصان نفس و ثمرات سے تاکہ کھرے سے کھوٹا الگ ہو جائے ، صادق و کاذب میں تمیز پیدا ہو جائے اور

جب یہ کامیاب ہو جاتا ہے تو اسے سند ملتی ہے صابر کی، شاکر کی، ولی کی، مومن کی، وغیرہ۔ عجیب دلچسپ امتحان ہے اور بڑا ہی نازک۔

جب تعلیم یافتہ طبقے سے یہی باتیں بیان کی جاتی ہیں تو کیوں وہ چیں بہ جبیں ہو جاتا ہے۔ کیوں آوازے کستا ہے کہ یہ نفس کیوں؟ شیطان کیوں؟ برائی کیوں؟ جذبات کیوں؟ کیا مدارس میں یہی کچھ نہیں ہوتا؟ کیا جماعتیں معین نہیں کردی جاتی ہیں؟ کیا نصاب مقرر نہیں کردیا جاتا؟ کیا امتحان نہیں لیا جاتا؟ پھر کہاں تک حق بجانب ہے یہ نفس پرست طبقہ؟

موت (اور حیات النبیؐ)

موت کیا ہے؟ آثار حیات کا پایا نہ جانا۔ یعنی کہ سانس کی آمد و رفت موقوف ہو جائے۔ سمع، بصر، کلام، قدرت باقی نہ رہے۔ بس انہی سے حیات کا پتہ چلتا ہے۔ جب یہ نکل گئے تو معلوم ہوا کہ حیات ختم ہو گئی۔ اور جب تک ان میں سے ایک بھی صفت باقی رہے تو یقین ہے کہ حیات باقی ہے۔ آفتاب کی ایک بھی کرن باقی ہے۔ آفتاب غروب نہیں ہوا تو وہ جو اپنی آہوں کو چھوڑ کر گئے مردہ کیسے کہلائیں وہ جو اپنا کلام چھوڑ گئے زندہ کیوں نہیں۔ انہیں جو اپنی شہادت دنیا میں چھوڑ جائیں میت کیسے کہہ سکتے ہیں۔ آخر یہ بھی تو آثار حیات ہیں۔ کسی نے کتنی سچی بات کہی ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

ہاں جس کے آثار حیات کمزور ہوں گے اس کی حیات بھی کمزور

ہوگئی کیا نبض کی انتہائی کمزوری، قرب موت کی اطلاع نہیں ؟

پھر انہیں لوگ زندہ کیوں نہیں سمجھتے جنہوں نے ہزاروں قلوب میں اپنے آثار، انوار، کلام، طرز کلام، تعلیم طریقہ تعلیم چھوڑا ... کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کے آثار، انوار، کلام، طرز کلام، تعلیم و طریقہ تعلیم تک موجود ہوں اور آپ اسے میت کہیں ... بزرگان دین کو بھی کتنی طیب حیات حاصل ہے ... آخر کس زعم میں ہیں "حیات النبیؐ کے منکر"؟

صحن سے کمرہ میں آجانا، حیدر آباد سے بمبئی جانا انتقال نہیں ؟ تو وہ بھی منتقل ہوگئے اجسام سے مثال میں۔

اگر کمرہ میں کھڑکی ہو تو کیا صحن نظر نہیں آتا ؟ پھر اگر مثال سے جسم اگر منکشف ہوجائے تو فیض کیوں نہ پہنچے۔ کیا بمبئی سے بذریعہ تار بات چیت نہیں ہوسکتی۔ خط و کتابت جاری نہیں رہتی ؟ ... تو پھر ارواح سے ملاقات ہو۔ پرتو سے تار آئے آثار مرتب ہوں تو تعجب کیوں ؟

نوجوان جس دن لاہور پہنچا اسی دن شاعر اسلام اقبالؒ کا انتقال ہوا۔ خبر رساں نقارہ کی آواز نوجوان کے کانوں میں پڑی لیکن یہ اس طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اسے دوسرے دن اس وقت خبر ہوئی جب کہ لاہور کے چند جوان، بوڑھے مرثیہ پڑھتے ہوئے سڑک سے گذر رہے تھے۔ ایک مصرعہ تھا۔

ہائے مر گیا اقبال پیارا

جمعہ کا دن ہے۔ نوجوان لاہور کی جامع مسجد میں داخل ہورہا ہے۔ جس سے آج بھی شاہان سلف کی عظمت ٹپک رہی ہے۔ اسے سیڑھیوں کے متصل ہی ایک تازہ قبر نظر آئی جس پر سبز گھانس کا غلاف چڑھا ہوا، کچھ تازہ کچھ مرجھے

ہوئے پھول اوپر پڑے ہوئے ہیں ۔۔۔ قبر کے اوپر ایک ڈیرہ تنا ہوا ہے جو بانس کے ستونوں پر قائم ہیں ستونوں سے لگی ہوئی چند تختیاں لٹک رہی ہیں ۔ ایک تختی پر لکھا تھا۔

نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سرود رفتہ باز آید کہ ناید
سرآمد روزگار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

ایک دوسری تختی پر لکھا ہوا تھا

نشان مرد مومن باتو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

معلوم ہوا کہ مزار میں ایک تبسم برلب ہستی آرام کررہی ہے۔

نوجوان اور اس کے ساتھیوں نے قرآن ختم کیا اور اقبال کی روح کو بخشا گیا مگر وہ اس ثواب کو کیا کرے جو قرآن کو سارے عالم میں جاری اور ساری دیکھنا چاہتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کی روح قبر میں بھی خوشی سے وجد کرنے لگتی تھی اور یقیناً اس ایصال سے ہزاروں درجہ بڑھ کر ثواب اس کو اس وقت ملتا جبکہ اس کے اس پیام پر عمل کیا جاتا۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قراں زیستن

اللہ کی رحمتیں نازل ہوں اس پر جس نے بادہ کہن کو جام نو میں پیش

کیا جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ کو رومیؒ و غزالیؒ کی روح سے حاصل کیا اور تفکر کی پچکاری سے سارے عالم پر چھڑک دیا۔ جس نے نوجوانوں کی عقل کو روشنی بخشی، جو سرّ نبوت کو پا گیا اور کہہ اٹھا۔

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

جس نے پھر ایک بار اپنے کلام سے ختم نبوت کی غیر مبہم دلیل پیش کردی۔ جس نے پھر ایک بار مشرق و مغرب کے سارے فکر باطل کے ستونوں کو اکھیڑ پھینکا اور جس نے سارے عالم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ کردیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند
نہ ہر کہ آئینہ ساز و سکندری داند

اور

غم زندگی، رم زندگی، سم زندگی، دم زندگی
غم رم نہ کر سم دم نہ کھا کہ یہی ہی شان قلندری

کہنے والا قلندر، سلسلہ اویسیہ کا ایک فقیر ہے جسے رومیؒ و غزالیؒ کے روحی پرتو نے رنگ دیا تھا۔ اور جو۔

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ ازمیان بردار

کہنے والے کا برادر روحی تھا اور جس نے عشق و حسن کے برزخ کو

پالیا تھا۔ نوجوان اقبال کو اس وقت سمجھا جب کہ وہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جس پر سنہری حرفوں سے کندہ تھا۔ "جاوید نامہ" اور جب نوجوان مسلسل تین گھنٹے کے مطالعہ کے بعد کتاب ختم کر کے اٹھا اور جب اٹھا تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ نوجوان اقبال کے ساتھ پیر رومی کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس ہو رہا ہے جو اپنے کلام کو پیش کر کے داد حاصل کر رہا تھا۔ اس کی زبان پر بھی چند شعر چڑھ گئے۔

ماترا جوئیم وتوازدیدہ دور
نے غلط ماکور توا ندر حضور
یاکشا ایں پردہ اسرار را
یاستان این جان بے دیدار را
مرد مومن درنسازد باصفات
مصطفےٰ راضی نشد الابذات
برمقام خودرسیدن زندگی است

یہ شعر کہنے والا زندہ کیسے رہ سکتا ہے ؟

ذات رابے پردہ دیدن زندگی است

اقبال کی بھی کتنی محبوب قابلیت تھی!

مسجد شہید گنج (اور اقبال کی یادیں)

انہی دنوں لاہور میں مسجد شہید گنج کے متعلق مسلمانوں کا آخری اجتماع جاری تھا، نوجوان مسجد دیکھنے گیا۔ اور اسے وہاں نظر آیا۔

ایک چودیواری جس کی دیواریں ۳۰۴ گز بلند تھیں۔ ایک گز چوڑا ایک راستہ چودیواری کے بیچ میں ایک تخت اس پر ایک کتاب چند سکھوں کا مجمع۔ ان سب پر ایک ڈیرہ۔ دروازہ میں ایک سکھ برچھالئے ہوئے، اس کے روبرو ایک اور مسلح سکھ سڑک پر اسکے متصل فوجی خیمے، جس میں سوار بھی پیدل بھی۔

اور اس چار دیواری کے عین اوپر آسماں سے حسرت برس رہی تھی، اور اس کے عین اوپر آثار جلال ظاہر تھے۔

نوجوان کے دل پر گویا بجلی گری۔ اس کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں اور اس کے دل پر حسرت و یاس کا طوفان چھا گیا۔ قلب مقبوض ہو گیا۔ اور اسے ایسا معلوم ہونے لگا کہ کہیں وہ بے ایمان تو نہیں ہے۔ اسے اپنے ایمان کا جائزہ لینا پڑا، مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی تفریق کرنی پڑی تب کہیں جاکر اسے صبر حاصل ہوا۔ کیونکہ جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا وہ مسلمانوں کی اجتماعی حالت کا نتیجہ تھا اور ایمان کو انفرادیت میں کچھ جگہ باقی تھی۔

غلامی کا برا ہو اس نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔

خیر چلو شاید یہ بھی ایک امتحان ہو آخر ہمارا صبر ایک نہ ایک دن رنگ لاکر ہی رہے گا۔ خالق کائنات بھی کتنا غنی ہے۔

گرو نانک کی ساری زندگی کا انحصار انکے قرآنی مطالعہ پر ہے جس کا پتہ انکے اکثر اشعار سے چلتا ہے۔ لیکن کتنے ظالم اور احسان فراموش ہیں سکھ بھی۔

مسلمانوں کی حالت بھی کب درست ہوگی معلوم نہیں۔ بیسیوں جماعتیں بن رہی ہیں۔ تحریکات جاری ہیں۔ قائد اٹھ کھڑے ہیں، جلسے جلوس ہیں، چندہ ہے۔ رضا کار ہیں۔ مگر ہنوز روز اول کا معاملہ ہے۔

نوجوان کا یہ فیصلہ ہے کہ جب تک مہدی موعود کا ظہور نہ ہو مسلمان درست نہیں ہو سکتے۔

امتحان گاہ (اور عمل کا بدل؟)

آخر وہ دن آہی گیا جس کے لئے نوجوان لاہور پہنچا تھا وہ آج خورد ونوش سے فارغ ہو گیا اور کپڑے پہن کر امتحان گاہ کی طرف چلدیا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اسے ایک سہ منزلہ عمارت نظر آئی جس کے صحن میں کچھ پودے لگے ہوئے تھے۔ اور اس کے کنارے چند بلند درخت تھے۔ صحن اور درختوں کے نیچے صدہا نوجوان، جوان بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں کتاب ہے کوئی مطالعہ میں مصروف ہے کہیں قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔ کہ یہ سوال آئے گا اور وہ سوال آئیگا۔ نوجوان بھی ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور تھوڑی ہی دیر میں داخلہ کی اجازت مل گئی۔ یہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ داخل ہو گیا۔ وسیع کمرے میں کرسی میز قطار سے جمے ہوئے ہیں۔ اسنے بھی ایک کرسی سنبھال لی اور بیٹھ گیا۔ سامنے میز پر دوات، قلم کچھ کاغذات رکھے ہوئے ہیں۔ میز کے کنارے ایک چٹھی لگی ہوئی تھی جس پر چسپاں تھا۔ (۹۱) یہ نوجوان کا رول نمبر ہے۔

ابھی اسی میں تھے کہ امتحان کا پرچہ آگیا۔ اب کیا تھا تمام کمروں میں سناٹا چھا گیا۔ بات کرنا تو ایک طرف دوسرے کی طرف دیکھنا مشکل ہو گیا۔ کسی کا دل دھڑکنے لگا تو کسی کو تشنگی شروع ہوئی تو کسی کا دل مسرور تھا اور کسی کے چہرہ پر مسکراہٹ کے آثار نمایاں تھے اور سب کے سب قلب و قلم سے مشغول ہو گئے۔ آخر کیوں نہ ہو سال بھر کی محنت کا انحصار ہے۔

ممتحن اور منتظم اپنے میں مست بیٹھے ہوئے ہیں۔ اپنے ضبط و نظم کا نقشہ

دیکھ کر اپنے ہی آپ میں خوش ہیں۔ اور نازاں ہیں اپنی عقل و بڑائی پر۔

سال بھر کی پڑھائی کے بعد امتحان ہو رہا ہے جس کا ضبط و نظم صرف یہ ہے اور اس پر گھمنڈ و غرور، جسکے بعد ایک سند دیجاتی ہے اور اسی پر لینے والا خوش ہوجاتا ہے۔

ذرا ایک اور امتحان بھی دیکھو جو دن میں پانچ مرتبہ ہوتا ہے۔ اسکے ضبط و نظم کو دیکھو اس کی اسناد پر غور کرو، پھر اس کے نتیجے اور بدل کا اندازہ کرو۔؟

ایک بڑی مسجد ہے، جانماز بچھے ہوئے ہیں۔ لوگ ادھر ادھر بیٹھے ہوئے ہیں کچھ قرآن لئے بیٹھے ہیں کچھ تسبیح پھیر رہے ہیں کہ اتنے میں "قد قامت الصلوٰۃ" کی آواز سے داخلہ مل گیا۔ سب کے سب اٹھے اور اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہوگئے۔ قطار سیدھی ہوگئی اور اللہ اکبر کے ساتھ ہی امتحان شروع ہوگیا

اب کیا ہے آواز کے ساتھ ہی ہاتھ بندھ گئے۔ نظریں جم گئیں، دل متوجہ ہوگیا اور جماعت پر ایک سناٹا چھاگیا۔ ممتحن نظروں کے سامنے ہے۔ بات کرنا دوسری طرف دیکھنا تو ایک طرف، دل میں دوسرے کا خیال بھی آجائے تو نمبرات کم کردئے جائیں۔ اور سب کے سب قلب و نظر سے مشغول ہوگئے۔ کیوں نہ ہو، عمر بھر کا بدل تیار کرنا ہے۔ موقع پھر کہاں ملے۔ یہی وقت غنیمت ہے کسے معلوم کہ اسکے بعد امتحان یسر بھی ہو یا نہ ہو۔ نفسا نفسی کا معاملہ ہے۔

کسی کے دل میں خشیت کا دریا امڈ آیا تو کس کے دل میں مسرت کا طوفان اٹھا۔ پروردگار بھی کبریائی میں مست ہے۔ اپنی حکمت، ضبط، نظم پر حاکم ہے۔ روز پانچ کے حساب سے بشرط کامیابی اسناد کا حساب لگاؤ۔ ممتحن کی حیثیت پیش نظر رکھو اور اس کے بدل و نتیجہ کا اندازہ کرو۔

کتنے کم بخت ہیں تارک نماز بھی۔

یہ امتحان بھی کتنا عظیم الشان ہے جب ہی تو کہا گیا ہے۔ الصلوۃ معراج المؤمنین"

خواہش

نوجوان کو لاہور میں ایک اور چیز نظر آئی اور وہ ہے مجسم خواہشات۔ آپ صرف ایک ایک پیسہ کی ایک ایک چیز لے کر کھاتے جائیے تو آپ کو اتنی چیزیں ملیں گی کہ آپ کے جیب سے تقریباً چار روپے خالی ہوجائیں گے۔ خواہشات کا میدان بھی کتنا وسیع ہے۔

اس طرح نوجوان کا (یہ خشک کہوں یا تر) سفر ختم ہوگیا۔

انتظار (اور نتیجہ)

امتحان کے بعد نوجوان مغل گدہ واپس ہوا اور انتظار تھا نتیجہ کا اس سفر کی ایک اور دلچسپ بات وہ رہ گئی، اور وہ یہ ہے کہ اس کا زاد سفر ملاحظہ ہو۔ غالباً سیر بھر ستو کا آٹا، سیر بھر چنے، سیر بھر گیہوں کے آٹے کی روٹیاں، پاؤ سیر گوشت اور ایک روپیہ۔ عجیب زاد سفر ہے۔

پرچہ آسان تھا کامیابی کی امید تھی مگر بغیر نتیجہ نکلے کے اطمینان کیسے حاصل ہو۔ پھر انسان اپنے زاد تقویٰ پر بھروسہ کیوں کرے ؟

نتیجہ شائع ہونے کی تاریخیں قریب پہنچیں، اور روزانہ رہبر دکن کا مطالعہ شروع ہوگیا۔ آخر ایک دن نتیجہ آہی گیا۔ ناموں کی فہرست کا مطالعہ

شروع ہوا اور ایک نام پر آکر نظریں جم گئیں لکھا تھا "غلامِ محمد دوم"۔

اخبار لاپروائی سے دوسرے کے ہاتھ میں چھوڑدیا اور نوجوان سیدھا گھر پہنچا۔ خوشخبری سنائی سب کے دل خوشی سے پھول گئے، مٹھائی تقسیم کی گئی۔ انتظار کی گھڑیاں واقعی کٹھن ہوتی ہیں۔ جب ظاہر کی یہ حالت ہے تو باطن کا کیا حال ہو گا۔ کچھ بیان نہیں کیاجاسکتا۔ صرف یہ کہ الانتظار اشد من الموت

تجارت (اور ایمانداری)

چند دن بیکار گذرے، پھر نوجوان کو منشی فاضل کی تیاری کا شوق ہوا اس نے کتابیں بھی خرید لیں۔

لیکن انسان کا ہرارادہ ہر شوق پورا ہوجاتا ہے؟ کیا ہر کوشش کا نتیجہ کامیابی ہے؟ اور کتابیں صندوق میں ہی رکھی رہیں۔

اس کے بعد تجارت کا خیال پیدا ہوا، سرمایہ کی ضرورت تھی۔ وہ آج مسلمانوں کے پاس کہاں (الاّ ماشاء اللہ) قرض لیا گیا۔ اور خدا کا فضل ہے کہ بغیر سود کے ملا۔

ذرا سود خواروں کو بھی دیکھتے چلو۔ اسے خدا کی بات کا یقین نہیں۔ لیکن ایک انسان کی بات کا یقین کرلیتا ہے کہ کچھ زیادہ دیدے گا۔

کیا لئن شکرتم لازیدنکم خدا کا کلام نہیں؟

غرض نوجوان نے ربیع الاول ۱۳۵۸ھ میں دوکان کھولدی۔ ایمان کا معاملہ تھا۔ لانا ایمان سے، دینا ایمان سے، بھلا بے ایمانوں، فاسقوں کے ماحول

یں نوجوان کی کیسے نبھتی۔ وعدہ کا اعتبار نہ کرو تو مشکل اور کرو تو مصیبت آخر کتنوں کو بے اعتبار سمجھا جائے۔ ہوتے ہوتے دکان خالی ہو گئی۔

مرض : (فاعل حقیقی کون ؟)

کہا جاتا ہے کہ امراض متعدی ہوتے ہیں اور ایک سے دوسرے پر اثرانداز ہوتے ہیں اور انہیں امراض میں چیچک بھی داخل ہے۔

انہیں دنوں نوجوانوں پر چیچک کا حملہ ہوا، جبکہ وہ اپنی عمر کے اکیسویں سال سے گذر رہا تھا۔ آخر یہ مرض آیا کدھر سے۔

گھر کا گھر محفوظ ہے، محلہ محفوظ ہے اور نوجوان مبتلاء۔ اور نوجوان کے صحتیاب ہوجانے کے بعد بھی گھر کا گھر محفوظ ہے۔ محلہ محفوظ، آبادی محفوظ لوگ اپنی عقل کو اللہ کے علم پر مقدم کیوں کرتے ہیں۔

دوکان کے اختتام کے لئے یہ بھی ایک تازیانہ ہوا اور وہ بالکل برخاست کردی گئی اب کیا کیا جائے پھر بیکاری کا دور شروع ہوگیا۔

اب تعلیمات میں نوجوان نے ۱۳۸۴ف میں درخواست پیش کردی اور وہ منتخب بھی ہوگیا۔ لیکن جائیداد نہ دارد۔

قرض کی ادائیگی کی فکر تھی۔ مدرسہ میں کچھ مدت کیلئے منصرمی مل گئی اور کچھ قرض ادا ہوگیا۔ پھر بے کاری مسلط ہوگئی۔

بیکاری (کیا ہے ؟)

کتنا بیکار عنوان ہے، لیکن جب ہر شئی میں کچھ نہ کچھ کارآمد بات

ہے تو یہ حقیقت سے خالی کیوں ہو۔

مومن بھی عجیب گھوکرو کا کانٹا ہے، یہ ہر حال میں سیدھا ہی نظر آتا ہے اور اس کا ہر عمل مقبول ہے۔

عارف کی نظر میں عجیب خط مستقیم ہے کہ جس میں کبھی کجی داخل ہی نہیں ہو سکتی۔ جدھر پڑی حقیقت پر ہی پڑی۔

مومن پر مصائب آئیں تو ابتلاء ہے۔ آزمائش ہے، گناہوں کا کفارہ ہے یہی نہیں بلکہ وجہ ترقی درجات بھی ہے۔

اور وہ صابر ہے، محبوب ہے، بیحساب اجر کا مالک مومن پر نعمتیں نازل ہوں تو، عطا ہے، فضل ہے، رحمت ہے، اور وہ شاکر ہے، اور ازدیاد نعمت کی بات ہے۔

مومن بیکار ہو تو متوکل ہے۔ باز پرس سے آزاد ہے اور وہ محبوب ہے رزق کریم کا مالک ہے۔

مومن جہاد میں مرا تو شہید، زندہ رہا تو غازی۔ مومن سے اجتہاد میں غلطی ہو جائے تو ایک ثواب، غلطی نہ ہو تو دو ثواب۔ عارف کا بھی عجیب حال ہے۔

شیٔ کو دیکھا تو نظر اثر پر، فعل کو دیکھا تو حرکت پر، صفت کو دیکھا تو موصوف پر، برائی کو دیکھا تو استعداد پر، بھلائی کو دیکھا تو توفیق پر، یہاں تک کہ شیطان کو بھی دیکھا تو حکمت پر نظر ہے اور ہر صورت میں مقبول ہی مقبول ہے۔

ہاں اگر متوکل نہیں تو بیکار ہے۔ صابر نہیں تو بیکار ہے ذاکر نہیں تو بیکار ہے۔ غرض کوئی بھی اعتبار سے اگر خدا سے ربط نہیں تو بیکار ہے۔ اور اگر

وہ جوان ہے تو اس کے لئے وعید ہے ۔ ان اللہ لایحب کل شاب الفارغ ۔۔۔ ورنہ ہرحال میں صاحب مال ہے ۔ (الحمدللہ علیٰ ذالک)

ذرا اس نوجوان کو دیکھو، فاضل کی کتابیں خریدیں اور وہ زینت صندوق ہوئی، تجارت کا وہ حال ہوا، ملازمت کے لئے درخواست پیش کیا تو اس کا وہ حال ہوا ۔ یہ سب عزائم اس کے تھے جو منقطع ہوگئے ۔ تو اس کی زبان سے اپنے آقا و مولیٰ کی تقلید میں نکلا ۔ عرفت ربی بفسخ العزائم

نوجوان کی اتنی جراءت تو نہیں کہ وہ اپنے آپ کو متوکلین سے سمجھے، لیکن صابر تو ہے اور یہی تقلید اس کے لئے باعث افتخار ہے ۔

بیکاری اگر بلا بھی ہے تو وہ صابر ہے اور بدل صبر محفوظ ہے ۔ مگر کام کاج کے ساتھ انسان کو تفریح کی ضرورت ہے، ذکر کے ساتھ فکر ضروری ہے ۔ مومن کی تفریح کا میدان آفاق اور انفس ہیں ۔

یہ سلسلہ خیالات قریب الختم تھے کہ نوجوان کو خیال آیا کہ مہتمم صاحب تعلیمات کے پاس ایک خط لکھنا چاہیے ممکن ہے کہ تقرر ہوجائے اور وہ الکاسب حبیب اللہ کا صحیح مصداق ہوجائے ۔

اور یہ محض اس لئے کہ کسب میں اعتبارات محبوبیت اور مواقع امتثال امر کی کثرت ہے ۔

اور ۲۷/ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ کو حسب ذیل خط روانہ کردیا گیا ۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی و محترمی

السلام علیکم!

خیریت حاصل، عافیت مطلوب، پہلی درخواست پیش کر کے دو سال ہو رہے ہیں اور دوسری درخواست دیکر چھ مہینے، دوسری درخواست میں پہلی تاریخ انٹرویو کے اندراج میں سہو ہو گیا تھا۔ میں نے مولوی عبد الرشید صاحب سے کہدیا تھا کہ وہ آپ کو بالمشافہ یا بذریعہ خط اس سہو سے مطلع کر دیں۔ نہیں معلوم انہوں نے آپ کو مطلع کیا بھی یا نہیں۔ میری آج تک کی خاموشی ان اللہ مع الصابرین پر عمل تھا۔ تو آج کا خط لیس للانسان الا ماسعٰی پر ہے

جو چاپلوسی اور خوش آمد سے کوسوں دور ہو وہ اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔ میں سفارشات سے آپ کو مجبور کر دیتا۔ لیکن اپنی خودی کو کیونکر برباد کروں، دوسروں کے پاس کیوں جاؤں، کیوں در در خاک چھانتا پھروں، خود بیکار ہوں سو ہوں، دوسروں کے اوقات کیوں ضائع کروں۔

جسے احساس خودی ہو اس سے یہ نہیں ہو سکتا۔ جہاں مانع ہے وہیں معطی، پھر آپ ہی کو متوجہ کیوں نہ کروں۔

آپ سے بھیک نہیں اپنا حق مانگتا ہوں خویش و اقارب کی آرزو مانگتا ہوں، اور میری اس دو سال کی خاموشی کا نتیجہ مانگتا ہوں۔

دفتر والا سے ٹکنیکل کالج جانے کی فہمائش آئی ہے، اس کا خواہش مند ہوتا تو آپ کے دفتر میں کیوں رجوع ہوتا، جسے تعلیم و تعلم سے دلچسپی ہو وہ اہرن و سندان کیا کرے۔

کیا دفتر کو کسی معلم کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا معلمین کی حاجات و ضروریات ختم ہوچکی ہیں۔ کیا منصرمی کا شعبہ اٹھادیا گیا ہے۔ میں حیدرآباد کے ہر گوشے میں کام کرنے کو تیار ہوں اور فی الوقت (۔۔) کی جائداد پر بھی راضی ہوں کہ کہیں کثرت ضروریات سے میری خودی کو ٹھیس نہ لگے۔

اگر آپ نے میرا تقرر کردیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے اور اگر نہ کیا تو یہ آپ کا اختیار ہے۔

غالباً یہ خط اپنی ملازمت کے سلسلے میں میری آخری کوشش ہے۔ ٹکٹ ٹپہ مرسل خدمت ہے۔ امید ہے کہ جواب سے سرفراز فرمایا جائے گا۔ آپ سے مولوی عبدالرشید صاحب کی ملاقات ان کی ہی کی تحریک پر بنی تھی۔

حق کا طالب

غلام محمد، امیدوار فضلِ الٰہی

بمکان خطیب صاحب مغل گدہ

۲۷ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ

اس کا جواب ۲/ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ کو آتا ہے

مقدمہ۔ درخواست امیدواران نسبت ملازمت۔

بخدمت، غلام محمد صاحب امیدوار ساکن مغل گدہ

بمکان خطیب صاحب

بجواب تحریر مورخہ ندارد ۱۵ ف ترقیم ہے کہ بوقت انتظامات دیگر امیدواروں کے ساتھ آپ کا بھی لحاظ کیا جاویگا۔ ۱۲

حسب مسودہ قلمی ... نگرانکار

دفتر مہتمم تعلیمات

کچھ نصیحتیں

۸/ تیر ۱۵ ف دفتر مہتمی تعلیمات سے ایک مراسلہ وصول ہوا جس کا ایک جملہ تھا "مولوی غلام محمد صاحب۔ منشی کامیاب بجائیداد مددگاری مدرسہ تحتانیہ بادے پلی مواجبی بیافت ...." تقرر کا علم کا نہ تھا۔ مراسلہ ملتے ہی، مسرت اور تاسف مشترک طبعیت پر غالب ہوگئے۔ تقرر سے مسرت تھی اور بیافت ... تاسف۔ اور یہ نتیجہ تھا حرص و قناعت کے تصادم کا۔ لیکن اس کشمکش کی مدت طویل نہ تھی۔ تھوڑی دیر گذری اور حرص اپنے ملزوم کے ساتھ مغلوب ہوگئی۔

مراسلہ لئے نوجوان اپنے مکان پہنچا سارے مکان پر نوجوانوں ہی کا حال چھایا نظر آرہا تھا۔ پھر کچھ وقفہ کے بعد سفر کی تیاری کا ذکر چھڑ گیا۔ نوجوان مراسلہ

لئے ہوئے اپنے استاد المکرم مولوی ریاض الدین علی صاحب حسامی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مراسلہ دیکھ کر کہنے لگے "چلو اچھا ہوا تم جو چاہتے تھے وہ ہو گیا تم چاہتے تھے کہ ملازمت تمہارے پاس آئے وہ آگئی مشاہرہ اگرچہ قلیل ہے لیکن فی الوقت چلاجانا ہی مناسب ہے۔ انشاء اللہ آئندہ ترقی ہوگی۔" اس مرد خدا کے فتوے پر نوجوان نے صاد کیا اور ملازمت اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

سامان سفر (اور توشہ آخرت)

مدت تھوڑی تھی سامان سفر کی تیاری شروع ہوئی۔ فہرست تیار تھی۔ شطرنجی، کملی، کپڑے، چاول، دال، پسی ہوئی سرخ مرچ، پیاز، گھی، چمچہ، توا، بگونے ۲ عدد، لوٹا، گلاس، چھری، کلہاڑی اور صندوق جتنا سامان صندوق میں سماسکتا تھا بھر دیا گیا بقیہ سامان اور توشے کی علیحدہ گھٹری بنادی گئی اور صندوق مقفل کردیا گیا۔

یکم امرداد ۱۱ ف نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی نوجوان سفر پر نکل پڑا۔ دل وزبان سے دعا جاری ہے کہ الٰہی ملازمت کا ہر خیر عطا کر اور اس کے ہر شر سے بچا۔ مغل گدہ سے بادے پلی کا فاصلہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ غالبا ۳۰ میل۔ لیکن یہ اہتمام کیوں ہورہا ہے۔ عقل و ذہن میں ضرورت زندگی کی جو بھی شئے نظر آئی اس کو ساتھ کیوں لیاجارہا ہے۔ اس کی حفاظت کا کیا سامان کیاجارہا ہے۔ کیا اس یقین کا نتیجہ نہیں جو نوجوان میں ہے کہ بادے پلی میں اسے زندگی گذارنا ہے۔ تو کیا انسان کی روحانی زندگی کے لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں؟ یا اس کو نقل مقام کا یقین نہیں؟ انسانی غفلت کا آخر مطلب کیا ہے؟

یکم امرداد ۱۵ ف کی صبح غالباً ۹/ بجے ہونگے نوجوان ریل کی کھڑکی سے اسٹیشن جڑچرلہ کا انتظار کررہا ہے ۔ اسٹیشن آیا ، ریل ٹھہرنے بھی نہ پائی تھی کہ دروازہ کھلا ، نوجوان صندوق اور گھٹری لئے پلیٹ فارم پر کھڑا نظر آیا ۔ پھر کولی آگے آگے اور نوجوان پیچھے اسٹیشن سے اترکر ٹھیک مغرب میں پھر شمال کی جانب پھر مغرب کی سمت چلے ۔ یہاں تک کہ سیدھی طرف ایک سائن بورڈ پر نظر پڑی مدرسہ تحتانیہ بادے پلی ۔ چھوٹا سا فقرہ نظر کے راستے سے دل میں اتر گیا ۔ دل کی حرکت تیز ہو گئی ۔ بسم اللہ کہہ کر اندر قدم رکھا کولی مزدوری لیکر واپس ہوا اور نوجوان اجلاس میں داخل ہوا ۔ مولوی عبد الغفور صاحب صدر مدرس تھے ۔

نوجوان : السلام علیکم !

صدر مدرس : وعلیکم السلام ..... مصافحہ ۔ آپ تبلیغ چھوڑ کر یہ کدھر آگئے ؟ طرفین کے ہونٹوں پر ہنسی کھیل گئی ۔

صدر مدرس : دستخط کردیجئے ۔ جماعت صغیر اور اول آپ کے تفویض ہیں ۔ نوجوان نے تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں سے دستخط کرکے رجسٹرات لئے ۔ جماعت میں پہنچا اور اس مقام پر بیٹھ گیا جس مقام کو طالب علمی میں دشمن کا مقام سمجھتا تھا ۔

قیام

مسافر کا مقام وہی ہے جہاں وہ ٹھہر جائے ۔ صدر صاحب کے اخلاق تھے کہ سامان اپنے گھر منگوالیا ۔ توشہ ساتھ تھا ، طعام کی فکر نہ تھی ۔ دن گذر گیا ۔ صبح ہوئی ۔ نوجوان ، صندوق سے چاول نکالنے لگا ۔ پیچھے سے آواز آئی ۔ جب تک

آپ کو گھر نہ مل جائے اس کی ضرورت نہیں۔ آواز میں زور اور زور میں خلوص تھا کہ صندوق بند ہو گیا۔ لیکن خودی برداشت نہ کر سکی۔ مکان کی تلاش شروع ہو گئی۔ شام ہونے سے پہلے مکان مل گیا۔ ایک کمرہ اور دالان۔ طہارت خانہ اور بیت الخلاء ندارد۔ غیر محفوظ صحن، پکانے پر مکان دھویں سے بھر جائے، بارش ہو تو ٹپکہ سے سونا مشکل ہو جائے۔ سوا روپئے کرایہ۔ سامان منتقل ہو گیا۔ ہر شئے کو اس کے مناسب مقام پر رکھ دیا گیا۔ اپنے لئے جگہ منتخب کر لی گئی مکان نوجوان سے منسوب ہو گیا اور نوجوان مطمئن۔

دست خود اور دہان خود

دو دن پانی چپراسی کے کاندھوں آیا کچھ دن نوجوان کے کاندھوں اور دوسروں کے ڈول رسی سے جب خودی سے اوروں کے ڈول برداشت نہ ہو سکے تو پانچ آنے میں ایک ڈور خریدا گیا اور لوٹے کو ڈول بنالیا گیا۔ ایک صراحی فراہم کر لی گئی۔ روزانہ آدھ سیر سے کچھ زیادہ چاول اور چھٹانک دال پکانے کے لئے، ایک صراحی اور پینے کے لئے ایک لوٹا پانی کافی ہو جاتا۔ لوگ تعجب کرتے، لیکن یہ واقعہ تھا۔ وضو اور طہارت کے لئے مسجد کفیل تھی پانی کی آخر ضرورت؟ سیدھے ہاتھ میں باگ ڈور بندھا لوٹا۔ الٹے ہاتھ میں صراحی۔ سر پر تاج اور تاج پر رومال یا دستی۔ ہر فجر کے بعد آبادی سے باہر باؤلی کی طرف جاتے ہوئے ایک شخص نظر آتا یہی نوجوان تھا۔

شادی

نوجوان کو ملازم ہوئے ڈیڑھ سال ہو چکا ہے والدین کی تمنائیں بیدار ہوئیں۔ آرزو میں حرکت پیدا ہوئی اور نوجوان کی شادی کا ذکر چھڑ گیا۔ کہیں

اپنوں میں کہیں غیروں میں انتخابی نظریں دوڑنے لگیں۔ کہیں صورت پسند کی گئی کہیں سیرت کو دیکھا گیا۔ کہیں رشتے پر نظر رہی۔ کہیں دولت کا لحاظ کیا گیا۔ بعض بچپن کی منسوب شخصیتیں منسوخ کردی گئیں۔ کبھی رشتے سے اعراض کیا گیا۔ کبھی سلسلہ پیام چھڑ گیا اور چھیڑنے والے نے ہی ختم بھی کردیا۔

دلچسپ باتیں

اس سلسلے میں بعض دلچسپ باتوں کا بھی ظہور ہوا۔ کہیں یہ شرط پیش کی گئی کہ نوجوان اپنی زلفیں منڈوالے۔ انگریزی بال رکھے، شملہ چھوڑدے کرتا اتار کر قمیص اور ٹوپی پہنا کرے اور کہیں زیر لب یہ فرمائش بھی رہی کہ ریش نوخیز کو بھی صاف کردیا جائے۔ کہیں سے یہ آواز آئی کہ نوجوان کی ذہنیت راہبانہ ہے وہ مسجد میں ھو اور حق کے نعرے لگاتا رہے گا اور آئی ہوئی کو چولہے کے پاس سونا پڑیگا۔ کہیں یہ کہا گیا کہ نوجوان تہذیب سے ناواقف، فیشن سے متنفر، اور قدامت پسند واقع ہوا ہے نبھاؤ نہ ہوسکے گا۔ غرض اس ہنگامہ میں پیام کا ایک مستقل سلسلہ قائم ہوگیا۔ نوجوان اکثر کہا کرتا تھا کہ لڑکے کے لوگ لڑکیوں کو ڈھونڈنے اور مانگنے جایا کرتے ہیں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ لڑکی کے لوگ مجھے ڈھونڈنے اور مانگنے آئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ لڑکی کے ایک قریبی رشتہ دار نے نوجوان کا اپنی لڑکی کے لئے انتخاب کیا اور پیام کا ذکر چھیڑدیا۔ لڑکی والوں نے دیکھا کہ نوجوان شکل و صورت کا ہے۔ عمر کیا ہے۔ کیا کام کرتا ہے۔ سیرت کا کیا حال ہے۔ دیندار انجمن کا فرد تو نہیں ہے۔ اخلاق کیسے ہیں؟

لڑکے والوں نے دیکھا کہ لڑکی حسین ہے یا نہیں۔ عمر کیا ہے؟ اخلاق کیسے ہیں۔ پڑھی لکھی ہے کہ نہیں۔ کوئی جسمانی عیب تو نہیں ہے؟ خاندان

کیسا ہے ۔ لڑکی کے والد کیا کام کرتے ہیں اور کیسی طبعیت کے آدمی ہیں ؟

ابتداء میں تو یہ تمام چیزیں شنیدہ تحقیق ہوئیں پھر۔

شنیدہ کئے بود مانند دیدہ

پر عمل کر کے اطمینان کلی حاصل کرنے کے لئے طرفین نے ایک دوسرے کی رونمائی کے لئے تاریخ مقرر کردی ۔ تاریخ آگئی اور طرفین نے اپنے آپ کو جس قدر خوب صورت اور جتنا نیک سیرت بنا سکتے تھے بنالیا ۔ بسم اللہ کہہ کر لڑکے والے نوجوان کو لیکر لڑکی والوں کی آبادی کی طرف نکل پڑے ۔ بڑی تمناؤں اور کامیابی کی دعا کے ساتھ راستہ طے ہوا ۔ اور آخر لڑکی والوں کی بستی آگئی ۔ استقبال ہوا ۔ علیک سلیک کے بعد فریقین ایک دوسرے کو صراحتہً اور کنایتہً متجسس نگاہوں سے دیکھتے رہے ۔ گفتگو کے مختلف موضوع رہے لیکن مقصد ایک ہی تھا ۔ انصاف تو یہ تھا کہ لڑکے کا انتخاب مردانے میں ہوتا اور لڑکی کا زنانے میں ....

مطلب یہ ہے کہ لڑکے کو مرد پسند کرتے اور لڑکی کو عورتیں ۔ لیکن عورتوں کی یہ زیادتی ہے کہ لڑکی تو عورتیں ہی پسند کریں لیکن لڑکے کو مرد بھی پسند کریں اور عورتیں بھی ۔ چنانچہ نوجوان کو عورتوں نے بھی چلمن کی آڑ سے دیکھا ۔ چلمن ہی کیا جس طرح بھی بن پڑے یہ دیکھے بغیر نہیں رہ سکتیں ۔ اور بغیر ان کے دیکھے کسی لڑکے کا انتخاب ایک مشکل کام ہے ۔

انتخاب ہوا اور تمام متعلقین میں ایک آواز پھیل گئی ۔ "لڑکا اچھا ہے" کچھ دنوں بعد تقریب رسم انجام دی گئی اور لڑکے کی طرف سے ایک سیر چاندی کی بیڑیاں لڑکی کے پیروں میں ڈالدی گئیں ۔ لڑکے والے مطمئن ہوگئے ۔ پھر لین

دین کی گفتگو کے بعد جس کا ذکر آگے آئیگا تاریخ عقد کے تعین کا مسئلہ پیش ہو گیا۔ اس معاملہ میں لڑکی والوں کی طرف سے دیر ہونے لگی۔ "رسم" کی تکمیل ہونے تک ہی بہت مدت گذر چکی تھی۔ اب جو اور دیر ہوئی تو لڑکے والوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ کسی نے کہا کہ لڑکی والوں کی بات کا اعتبار نہیں۔ کسی نے کہا کہ جب تک عقد نہ ہوجائے مجھے عقد کا یقین نہیں۔ کسی نے کہا کہ انہوں نے قبل ازیں بھی ایک پیام قطع کرلیا ہے۔ کسی نے کہا ان کا ارادہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ اگر دینے والے ہوتے تو ان حیلے حوالوں کی کیا ضرورت تھی۔ کسی نے یہ خبر اڑائی کہ وہ دوسری پیام کی گفتگو کر رہے ہیں، لیکن وقت آگیا اور سارے اندیشے بیکار ثابت ہوئے۔

۶/ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ روز جمعہ تاریخ عقد قرار پائی۔ اس اثناء میں بعض مزید دلچسپیاں بھی پیدا ہوئیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ لڑکی کے والد کے نام کسی کرم فرما نے یہ خط لکھ دیا کہ "عورت بیٹی کا معاملہ ہے، لڑکی کی عمر بھر کی زندگی کا سوال ہے، لڑکے کی رشتہ دار عورتیں "ڈلہ" (مشہور مکارہ) صفت ہیں، بادشاہ کی لڑکی فقیر کو، فقیر کی لڑکی بادشاہ کو کرانے والے لوگ ہیں۔ آپ اپنی لڑکی کو سوچ سمجھ کر دیں۔ چیزیں اور کپڑے مانگ کر لائے جارہے ہیں۔ لڑکے کے متعلق ہماری کوئی شکایت نہیں ہے۔"

آپ کا خیر اندیش

بعد کو معلوم ہوا کہ یہ خط لڑکی کے والد کو نہ پہنچ سکا اور لڑکی کی والدہ نے اس کو داب دیا۔ ورنہ نہ معلوم کیا نتائج برآمد ہوتے۔

مہر

نوجوان کی طبعیت کا لحاظ کرتے ہوئے اس معاملہ کا اہم مسئلہ مہر تھا۔ ابتداء میں تو نوجوان ۵۰۰ پر مصر رہا پھر مشکل سے ۷۰۰ پر راضی ہوا اور پھر اصرار اور تکرار پر بمجبوری تمام ۹۰۰ تک بھی اس کو راضی ہونا پڑا۔ لیکن یہ تمام دھرا رہ گیا جب عین وقت پر لڑکی کے والد نے ۱۱۰۰ کہدیا۔ خویش و اقارب بھی ان معاملات میں کچھ اس طرح چھائے رہتے ہیں کہ نہ لڑکی زبان ہلاسکتی ہے نہ لڑکے کے جذبات و احساسات کا خیال رہتا ہے اور اسی خویش و اقارب کے غلبہ نے نوجوان کو ۱۱۰۰ پر راضی کر کے چھوڑا۔ لڑکی کے والد مصر تھے کہ ۱۱۰۰ سے ایک پائی کی کمی نہ ہوگی نہ اضافہ۔ چنانچہ اسی منطقی موقع سے آخری فائدہ اٹھالیا گیا۔ ۱۱۰۰ کے علاوہ نہ دینار شرعی رہے نہ رائج الوقت اشرفی۔

غرض تاریخ قریب آگئی اور امکانی انتظامات کے ساتھ نوجوان اپنے خویش و اقارب اور اساتذہ کرام کو لئے ہوئے روانہ ہوگیا۔ جس میں مولوی سید ریاض الدین علی صاحب حسامی، مولوی شریف احمد شریف صاحب اور مولوی عبد الرحمن صاحب تھے۔ ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ مولوی سید ریاض الدین علی صاحب حسامی کے فرزند ارجمند کا مزاج بلدہ میں ناساز تھا اور وہ بلدہ جانے کا ارادہ بھی رکھتے تھے، لیکن موصوف نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر نوجوان آکر اصرار کرے تو بلدہ جانا منسوخ کردونگا۔ چنانچہ یہی ہوا دوسری طرف بلدہ سے بعض خویش واقارب کے سوا نوجوان کے دوست سیکلوں پر نکل پڑے جن میں عاشق، یوسف، امام، سید اور رکن قابل ذکر ہیں۔ رات کے کوئی نو بجے ہونگے آبادی قریب آگئی۔ استقبال کے لئے بیانڈ اور شہنائی کے ساتھ لڑکی کے رشتہ

دار موجود تھے ۔ بزرگوں کے مجمع میں نوجوان کا گھوڑے پر سوار ہونا ہی ایک بڑا کام تھا اس پر بیانڈ اور شہنائی ! نوجوان کے قلب کی حرکت تیز ہو گئی اور وہ ان شیطانی آوازوں میں رقص کرتے ہوئے جانے پر آمادہ نہوا لڑکی والوں نے کہا آخر اس میں ہے ہی کیا ؟ یہ ہماری آرزو ہے ۔ نوجوان نے کہا جب اس میں کچھ نہیں ہے تو اس کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ اس کا نہ ہونا یہ نوجوان کی آرزو ہے ۔ بمجبوری تمام بیانڈ و شہنائی واپس کردی گئی ۔ اور نوجوان گھوڑے پر سوار ڈھپ کی آوازوں میں بستی میں داخل ہو گیا ۔

۶/ ربیع الثانی ۱۹۶۳ء ہے ۔ روز جمعہ ہے ۔ نوجوان کو قبل فجر بیدار کردیا گیا ۔ ضروریات سے فارغ ہو کر غسل رسمی انجام دیا ، لباس زیب تن کیا ۔ شملہ باندھے گلے اور بازوں میں پھول کے ہار ڈالے پیادہ پا مسجد کو روانہ ہو گیا ۔ جماعت ہو چکی تھی جماعت ثانی قائم ہوئی ۔ نوجوان کو امام بنایا گیا ۔ نوجوان نے نماز میں والضحیٰ اور الم نشرح کی تلاوت کی ۔ بعد نماز لڑکی کے مکان پہنچے ۔ یہاں کوئی رسمی واقعہ پیش نہ آیا ۔

مجلس عقد منعقد ہوئی ۔ قاضی صاحب کوئی ملا نے تھے ۔ سید امیر صاحب نے قضاءت کا جائزہ لیا ضروری کاروائی کے بعد بتوسط نوجوان سے مخاطب ہوئے ۔ مسماۃ عائشہ بیگم بنت محمد علی صاحب ملتنظم سکنہ چنگومل کا نکاح شہادت مسمیاں غوث الدین صاحب و سید امیر صاحب و حضار مجلس بمعاوضہ گیارہ سو روپئے مہر مؤجل میں نے آپ کے ساتھ کردیا ۔ نوجوان کے دل سے نکلا ...... میں نے اس کو اسی مقدار مہر پر قبول و منظور کیا ۔ نوجوان کے اس جملے پر کھجور ، بادام اور مصری نچھاور کیے گئے ۔

نوجوان ان فرصت کے دنوں میں حکم تفکر وافی خلق اللہ کے امتثالِ امر میں اپنے آپ مشغول ہوگیا۔ جس کے نتیجہ میں یہ چند پریشان جملے صفحہ کاغذ پر ثبت ہوگئے۔

اور آج بروز ۸/ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ ۲۱/ خورداد ۱۳۵۱ف نوجوان کی یہ تحریری مصروفیت بفضل الٰہی ختم ہوگئی۔ الحمدللہ واسئلہ مزیداً

مرتبہ

عبد ضعیف

غلامِ محمد (عفا اللہ لہ)

ختم شد

تصانیف و تالیفات

عارف باللہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کلامِ غلام

مکتوباتِ غلام

ملفوظات .. ردِّ قادیانیت

آئینہ غلام
خود نوشت سوانح
انطباق احوال ، نکات معرفت

☆ ہر ورق دفتر ☆ کلمہ طیبہ ☆ مقام انسانیت

☆ اسرار خطبہ نکاح

☆ دروسِ احسانی ، حقائقِ عرفانی

حضرت مولانا شاہ کمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

کی

تصانیف و تالیفات

تشریحات

☆ سورۃ الفاتحہ ☆ ☆ سورۃ الکوثر ☆ ☆ سورۃ الاخلاص ☆

بیعت حقیقت، اقسام، احکام

خدا کی پہچان از روئے قرآن مع تمثیلات وجدان

شیطان سے جنگ اور اس سے بچنے کی تدبیریں

زندگی میں غم کیوں؟ مصائب کیوں؟ علاج کیا؟

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

ملنے کے پتے

☆ مسجد عالمگیری

شانتی نگر، نزد آئی۔ٹی۔آئی۔ملے پلی،حیدر آباد۔۲۸

☆ حضرت مولانا شاہ کمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

مکان نمبر19-4-281/A/39/1، محلہ نواب صاحب کنٹہ،حیدر آباد ۵۳

فون: **4414680**

☆ حضرت مولانا جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

مکان نمبر 13-5-610/43، محلہ ٹپہ چبوترہ حیدر آباد۔اے پی

فون: **4732802**

☆ مکتبہ فیض ابرار

16-2-138/8، متصل جامعہ اسلامیہ اشرف العلوم،اکبر باغ،

ملک پیٹ حیدر آباد۔۳۶ فون: **4576487**

☆ مکتبہ سبیل الفلاح، باقر باغ،سعید آباد،حیدر آباد،اے پی۔۳۶

☆ فضل بک ڈپو، متصل جامع مسجد ملے پلی،حیدر آباد۔۲۸،اے پی